ظفر برادرس تاجرانِ کتب ظفر منزل لاہور کا سلسلہ تالیفات ۱۵

از کتب خانہ خود

بُتانِ حرم

یعنی

اُن مشہور ہندو رانیوں کے مستند تاریخی حالات جو مسلمان بادشاہوں
کے محلوں کی زینت بنیں اور بیگمات کہلائیں

مرتبہ

محمد الدین فوق

بار اول | سنہ ۱۹۲۷ء | قیمت ۸/

1994
1927
67

مقدمہ

یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ سیاسی اور مذہبی اختلافات کی گتھیاں معاشرتی اتحاد سے سلجھتی ہیں۔ تاریخ اُمم کی ورق گردانی کیجیے تو آپ پر اس بیان کی حقیقت منکشف ہو جائیگی۔ یہ تو بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ کسی فاتح قوم نے مغلوب گروہ پر غلبہ حاصل کرکے اس کے مال و دولت حتیٰ کہ اس کے زن و مرد پر قبضہ کرکے یا تو انہیں اپنی جماعت میں ملا لیا۔ اور یا ان سے اتحادِ صلبی کرکے ایک جدید قومیت کی بُنیاد رکھی۔ تمدن قدیم کی تاریخیں اس قسم کے واقعات سے لبریز ہیں جن میں فاتح قوم کے افراد سیاسی حالات اور نسبی امتیازات کے باوجود مغلوب افراد سے بلکہ شیر و شکر ہوئے کہ نصف صدی کے بعد دونوں میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔ مشہور شہنشاہ روما جسٹینین جسکی ذکاوت اور تدبر نے "نہ صرف سلطنت روما کے شیرازے کو ایک عرصہ تک درہم برہم ہونے سے بچائے رکھا۔ بلکہ کوڈ سول"

یعنی مجلد قوانین روم کو وضع کرکے یوروپ کے نظام سیاسی کی بُنیاد رکھی۔ فی الحقیقت خالص رومی نژاد نہ تھا بلکہ صوبہ تھریس کی ایک "وحشی" ماں کے بطن سے ایک رومی گورنر کا فرزند تھا۔ اسی طرح سکندر اعظم نے اپنی فتوحات کے دوران میں اگر شاہِ دارا والئے ایران کی دُختر سے رشتہ ازدواج قایم کیا۔ تو

پورس والئے پنجاب و علاقہ سرحد کے خاندان میں یونانی سالاران فوج کے رشتے ناطے کراکر پنجاب کو نیم یونانی حیثیت دی۔

علیٰ ہذا مسلمان بھی اپنے عہد شباب میں جہاں کہیں گئے انہوں نے نہ صرف ممالک مفتوحہ میں عربی روایات علم و فن۔ ملکداری اور نظام سیاست کی تجدید کی۔ بلکہ مفتوح قوموں کے ساتھ رشتے ناطے کر کے انہیں اپنی برادری کے افراد میں شامل کرلیا۔ چنانچہ جاوا کے تین کروڑ مسلمان اور اس سے کہیں زیادہ وسط ایشیا کے مسلمان اس اسلامی خصوصیت کے مظہر ہیں مسلمان سلاطین "امتیاز رنگ۔ ذات و نسل" سے جو زمانہ جدید کی سیاست کا سنگ بنیاد ہے۔ حد درجہ متنفر تھے۔ اور اس امر کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ کہ غیر ممالک میں جاکر ان کے مرد و زن ان کی املاک و دولت کو اپنے اصلی وطن کی دولت و حشمت کی ترقی کا ذریعہ بناتے رہیں۔

چنانچہ سلاطین مغلیہ نے اگر ایک طرف کشور ہندوستان کو اپنے سیاسی اور جنگی اقتدار کی جولانگاہ بنایا۔ تو دوسری طرف اس کی پرعظمت جماعتوں کے ساتھ معاشرتی اتحاد قایم کر کے اس سے ایک مخلوط تمدن۔ مخلوط زبان اور متحدہ ضوابط سلطنت کا قوام تیار کیا۔ اس مختصر کتاب کی اصلی غایت یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں عہد اسلامی کے ان واقعات کی یاد کو تازہ کیا جائے۔ جبکہ مغل اور راجپوت پٹھان اور مرہٹے سید اور برہمن ایک ہی وطن کے ماں جائے بھائی ہوا کرتے تھے

اور اسلامی قوانینِ ملکداری کے ماتحت راجگانِ ٹوڈرمل اور جے سنگھ وزیرِ مملکت اور افغانستان جیسے درشت اور متعصب ملک کے صوبے دار کہلاتے تھے۔ اور جودھا بائی اور رانی اودے پوری قصرِ سلطانی کی رونق بنکر ملکۂ جہاں کا لقب پاتی تھیں۔

یہی نہیں۔ کہ صرف سلاطینِ مغلیہ نے "ڈولے لینے" یا ہندو خواتین کی نوازش کرنے کو ہندوستان میں رواج دیا۔ بلکہ اس سے پہلے بھی مسلمان حکمران اس رسم کو زندہ کر چکے تھے۔ ۹۴ھ میں غازی محمدؒ ابن قاسمؒ نے رانی لاڈی کے معاشقانہ میلان پر اسلامی تزویج کا رنگ چڑھایا۔ اور اسی طرح دوسرے مسلمان بادشاہوں نے جب اور جہاں غیر قومی طبقۂ لطیف کو شباب اسلام کی طرف مائل دیکھا۔ ان کی پذیرائی کے لئے اپنی آغوش آزادانہ کھولدی اس سے بیشتر بھی مسلمانوں نے یہود اور نصاریٰ کی لڑکیوں سے سلسلہ مناکحت قایم کیا تھا۔ مگر یہ رواج کچھ دیرپا نہ ہوا۔ کیونکہ قبولِ اسلام سے قبل کسی غیر مسلم عورت کا ایک مسلمان کی آغوش میں آنا خلافِ اسلام تھا۔ اور ان زمانوں میں محبت پر مذہب کی قربانی عورتوں کے جذبۂ غیور سے خارج تھی۔

سلاطینِ مغلیہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ ہندو لڑکیوں اور رانیوں کو بغیر تبدیلئ مذہب اپنے حرم میں داخل کر لیتے تھے۔ اور ان کے لئے قلعہ معلیٰ میں پرستش گاہیں اور پوجاپاٹ کا سامان مہیا ہوتا تھا۔ لیکن یہ ایک غلط الزام ہے۔ جس کی تردید تاریخ خود کر رہی ہے۔ مریم زمانی جسے عوام الناس ایک عیسائی خاتون

سمجھتے ہیں۔ اور جو در اصل ایک ہندو رانی تھی۔ مسلمان ہو کر حرم اکبری میں داخل ہوئی تھی۔ اور اس کا باقاعدہ نکاح ہوا۔ اور نام بھی بدل دیا گیا۔ یہ قطعاً ناممکن تھا۔ کہ دار القضا کی موجودگی میں علماء و فضلاء کے سامنے کوئی مسلمان بادشاہ کسی غیر مذہب کی عورت کو بغیر نکاح اپنے حرم سرا میں پناہ دیتا چنانچہ خافی خاں منتخب اللباب (جلد اول صفحہ ۱۸۹) میں لکھتا ہے۔ "بر طالبان اخبار و پیر دکھن ظاہر و ہویدا است کہ تمام فتح و تسخیر ہندوستان عشرت نشان ۔۔۔ مخصوص اطاعت راجہ ہائے نامدار کہ حلقۂ اخلاص گوش نمودن و بندگی و سرافگندگی بدیں مرتبہ اختیار کردن کہ با وجود کمال تعصب کہ ہر قومے را با مخالفان ملت خود مے باشد۔ دختران خود را مسلمان نمودہ داخل پرستاران خاندان دودمان صاحب قران ساختن و بہ وان مفتخر گردیدن۔ و بہ خدمات مامور گشتن ۔۔۔ مخصوص عہد عرش آشیان بود"!

غرض غیر مذہب کی عورتیں باقاعدہ نکاح کے بعد داخل حرم ہوتی تہیں۔ اور ان کے اسلامی نام رکھے جاتے تھے۔ البتہ اعلان عام سے دانستہ اعراض کیا جاتا تھا۔

جہاں بادشاہوں کے محلوں میں ہندو رانیاں تہیں وہاں ہندو عمال دار اکین بھی تھے۔ اس لئے وہ لوگ ان عورتوں کو ان کے ہندو نام ہی سے یاد کرتے تھے۔ اور اس طرح نئے اسلامی ناموں کو زیادہ شہرت نہ ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں ایک نوجوان مسلم فرمانروا کے لئے غیر قومی نام میں جو ہیا دبیب اور تنوع تھا

وہ اسلامی نام میں کہاں میسر آسکتا تھا!

قلعہ میں "ہندو" رانیوں کے لئے پرستش گاہوں اور مندروں کا تعمیر کرنا۔ اور انہیں پرستش کے تمام سامانوں سے لبریز کر کے ہردوار اور سومنات کے مندروں سے بڑھا دینا درحقیقت ان ہندو خواتین کے لئے نہ تھا۔ جو مسلمان ہو کر حرم میں داخل کی جاتی تھیں۔ بلکہ ان نفوس (ہندو ملازمین وہندو خواصوں و کنیزکوں) کے لئے تھا۔ جو ان خواتین کے ساتھ بطور خدام آتے تھے۔ یہ لوگ مندروں میں آرتھی کرتے پوجا کرتے اور آزادی کے ساتھ اپنے فرائض مذہب ادا کرتے۔ مسلمان ہو جانے والی خواتین ان کے ساتھ ایسا کرنے میں کبھی حارج نہ ہوئیں۔ بلکہ اکثر ان کے ساتھ جاتیں اور اپنے انقلاب حسنہ پر دل ہی دل میں خدا کا شکر کرتیں۔

اکبر نے اپنے زمانہ میں اس قسم کی قرابتوں کو بہت رواج دیا۔ جس سے ایک طرف تو ہندو راجے بادشاہ کے سالے اور خسر بنکر اپنے نواسوں اور بھانجوں کے ہمدرد بن گئے۔ بلکہ ترقی سلطنت کے ہوا خواہ ہو کر بادشاہ کی ہر عیش و رنج میں برابر کے شریک ہو گئے۔ اُدہر اسلام نے رواداری و مساوات کو وہ ترقی دی۔ کہ اس مخلوط تزویج نے ہندوستان کے تمام طاقتور راجاؤں کی گردنیں جھکا دیں۔

ان مخلوط شادیوں کے نتائج پر ارباب الرائے کے مختلف خیالات ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے۔ اکبر جہانگیر اور شاہجہان نے جو سلوک راجپوت راجاؤں کے ساتھ رکھا۔ اسپر اگر اورنگ زیب

قایم رہتا۔ تو یہ سلطنت لازوال ہو جاتی۔ ایک کی یہ رائے ہے کہ اورنگ زیب نے بھی راجپوت راجاؤں سے رشتہ داریاں کی ہیں۔ سلطنت کے زوال کی وجہ یہ ہے۔ کہ اورنگ زیب کے جانشینوں میں کوئی "عالمگیر" پیدا نہیں ہوا۔

ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ ترکی خون کے ساتھ ہندی خون کا پیوند ملنے سے بادشاہوں کی شجاعت وعظمت ہندو راجاؤں کے دلوں سے رفتہ رفتہ اس لئے اٹھ گئی۔ کہ وہ رشتہ داریوں کی وجہ سے امورات سلطنت میں دخیل رہتے تھے۔ اور آخر نوبت یہانتک پہونچی۔ کہ اس پیوند نے سلطنت میں زوال کا بیج بویا۔

اصل حقیقت کے لئے تو بڑی موشگافیوں کی ضرورت ہے۔ لیکن بقول صاحب اقبال نامہ اکبری یہ رائیں بھی دل بہلانے کے لئے اچھی ہیں۔

میں نے اس کتاب میں جس قدر حالات لکھے ہیں۔ وہ سب کے سب مسلمہ اور مستند تاریخی واقعات ہیں۔ جنکی تردید ناممکن ہے۔ اور اتنا اور کہدینا بیجا نہ ہوگا۔ کہ ان واقعات کو کتابی شکل میں لانے کا مقصد یہ نہیں۔ کہ غیر قومی لوگوں کے جذبات میں اشتعال پیدا کیا جائے۔ اور ہندوستان کی پہلے ہی سے مکدر فضا کو اور مکدر کیا جائے۔ بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ صحیح صحیح واقعات پبلک کے پیش کئے جائیں۔ تاکہ وہ الزامات جو آج کل متعصب ہندو مسلم فرمانرواؤں پر عاید کر رہے ہیں۔ انکا ازالہ ہو جائے۔ آج کل محض تعصب کی وجہ سے برادران وطن

مسلمان حکمرانوں کے سر پر ایسے ایسے شرمناک الزامات تھوپ رہے ہیں۔ کہ ایک سلیم الطبع شخص خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو ہو۔ انہیں ہرگز نہیں سن سکتا۔ ایسے ایسے عجیب و غریب اور بے سر و پا واقعات اخباروں میں لکھے جا رہے ہیں۔ کہ ہندو ذہنیت آپ اپنا ماتم کر رہی ہے!

ہندو پریس کا ان دنوں اولین مقصد یہ ہے۔ کہ ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ افسوس کہ فرط تعصب سے ان لوگوں کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ مسلمان فرمانرواؤں کا ہندو عورتوں سے شادی کرنا نہایت اہم سیاسی وجوہات پر مبنی تھا۔ ان کے اس اتحاد کو آجکل تعصب کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ اور اسے ہندوؤں کی دل آزاری پر محمول کر کے بے بنیاد افسانوں اور بے سر و پا قصوں کی صورت میں پبلک کے پیش کر کے دونوں قوموں میں باہم نہایت زبردست نفرت کا بیج بویا جا رہا ہے۔ حالانکہ برادران وطن مسلمان فرمانرواؤں کے اس طرز عمل پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ تو انہیں معترف ہونا پڑیگا۔ کہ یہ اتحاد ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لئے بے انتہا خوش نصیبی اور مسرت کا باعث تھا۔ بلکہ اس اتحاد سے زیادہ فائدہ ہندوؤں ہی کو پہنچا کیونکہ رانیاں گو مسلمان ہو جاتی تھیں۔ مگر ان کے لواحقین ہندو ہی رہتے تھے۔ اور بڑے بڑے اعزاز و مراتب حاصل کرتے تھے۔ اور ان کے اور انہوں کے تالیف قلوب کے لئے

بادشاہ بھی ان کی ہندوانہ رسومات اختیار کر لیتے تھے۔ اور اس قسم کی بیسیوں مثالیں تاریخ میں موجود ہیں

محمد الدین فوق

دفتر اخبار کشمیری۔ لاہور

۲۲۔ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء

اس کتاب میں فیروز شاہ تغلق کی ماں کا حال
درج نہیں ہے۔ اگرچہ ایک ہندو راجپوت شہزادی
تھی۔ ایسے مسلمان

(۲) لکشمی دیوی - شہاب الملک

(۳) شوبھا دیوی - سکندر

(۴) ڈوگری ازبیاں - بادشاہ [illegible]

(۵) جے سنگھ والے راجپوت کی بہن حسن شاہ کی اہلیہ

کا حال بھی درج نہیں ہے

فہرست مضامین

ف رانی لاڈی کو مصنف آئینہ حقیقت نما نے لادی لکھا ہے۔ لیکن ۱۳ اپریل کے منادی دہلی میں جو مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کا تبلیغی اخبار ہے۔ محمد عثمان حبیب اللہ مقام ٹنڈو باگو ضلع حیدرآباد سندھ نے غازی محمد بن قاسم کی سندھی سوانح عمری اور بعض سندھی محققین کی بنا پر لاڈی یا لاڈی لکھا ہے اور اصل ہندی میں اسی طرح لکھا ہے۔ [illegible] لفظ کو صحیح سمجھا ہے۔ رانی لاڈی کا اسلامی نام خدیجہ بتایا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رانی لاڈی

عرب سردار محمد بن قاسم[1] فاتح سندھ کی سندھی بیگم

سندھ کے ملک پر راجہ ساہسی کی حکومت تھی۔ بدھی من اس کا وزیر اور چچ نام ایک برہمن جس کا چاروں ویدوں پر عبور تھا۔ اس کا نائب تھا راجہ ساہسی کی بیوی کا نام سبھ دیوی تھا۔ چچ کی اور اس کی خفیہ محبت نے یہاں تک طول کھینچا۔ کہ راجہ ساہسی کسی نہ کسی طرح ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد رانی نے اعلان کیا۔ کہ میرے ہاں چونکہ کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس لئے میں چچ کے ساتھ شادی کرتی ہوں۔ وزیر بدھی من نے چونکہ رانی کے کام میں کوئی روڑا نہیں اٹکایا تھا۔ اس لئے وہ بدستور اپنے قدح کی خیر مناتا رہا یعنی وہ قلمدان وزارت کا مالک بنا رہا۔

چچ کے ہاں رانی سبھ دیوی کے بطن سے دھرسیہ اور داہر دو بیٹے اور مسمات بائی ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کے ساتھ داہر نے اپنی دوسرے بھائی دھرسیہ کی مرضی کے خلاف شادی کر لی۔ چنانچہ دونوں بھائیوں میں لڑائی تک نوبت پہنچی۔ بلکہ بائی کے منگیتر حاکم ابکانان نے بھی ایک عظیم لشکر لے کر داہر کے دارالخلافہ الور پر چڑھائی کی اس موقع پر

[1] وفات سنہ ۹۵ھ

داہر نے محمد بن حارث علافی[۱] کو مدد کیلئے بلوایا۔ اور جب اس جنگ میں داہر کو کامیابی ہوئی۔ تو اس نے علافی کو اپنا وزیر اعظم بنا کر سکہ پر ایک طرف اپنا نام اور ایک طرف علافی کا نام مضروب کرایا۔

اس زمانہ میں جزیرہ سرانديپ کا راجہ مسلمان ہو چکا تھا۔ وہاں مسلمان سوداگر بھی بکثرت آباد تھے۔ راجہ نے آٹھ جہاز جن میں قیمتی تحائف تھے۔ اور جن میں مسلمان حجاج اور تاجر اور مسلمان بیوہ عورتیں، اور یتیم بچے اپنے ملک کو واپس جانے کے لئے سوار تھے۔ حجاج کی طرف روانہ کئے۔ ہوائے مخالف کی وجہ سے یہ جہاز راجہ داہر کے مشہور بندرگاہ دیبل پر آ گئے۔ جہاں راجہ کے گورنر نے مال و اسباب کو لوٹا اور مسلمانوں کو بے عزت اور بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر تشدد کیا۔ راجہ داہر نے اپنے گورنر کے اس صریح ظلم پر کوئی نوٹس نہ لیا۔ بلکہ پیچھے مسلمانوں کے ساتھ مزید سختی کا برتاؤ کیا۔ اور حجاج بن یوسف نے جب اس تعصب و تشدد بے جا کا جواب طلب کیا۔ تو گستاخانہ جواب دیا۔

ان حالات میں حجاج بن یوسف نے اپنے داماد اور بھتیجے محمد بن قاسم کو جو سترہ سالہ وجیہہ و شجاع اور مدبر و قابل لڑکا تھا۔ اور

---

[۱] خلیفہ عبدالملک بن مروان کے مشہور سپہ سالار حجاج بن یوسف نے ۸۵ھ میں سعید بن اسلم کلابی کو مکران کا عامل مقرر کر کے بھیجا جہاں صورت حالات بہت نازک تھی سعید نے آتے ہی سرکشوں کے سردار کو قتل کر کے اس کا سر حجاج کے پاس بھیج دیا اس سردار کے دو رشتہ دار بھی مکران میں تھے محمد و معاویہ جو اپنے کسی بزرگ کے نام پر علافی کہلاتے تھے ۔۔۔۔ علافیوں نے بغاوت کر کے ملک میں فساد کرنے لگے معاویہ تو قتل ہو گیا اور محمد علافی ۸۵ھ میں راجہ داہر کی دعوت پر اس کے پاس چلا گیا

اس چھوٹی سی عمر میں فارس کا گورنر تھا۔ سندھ کی مہم کا مختار کل بنا کر ہندوستان کی جانب روانہ کیا۔ محمد بن قاسم نے صرف بارہ ہزار اسپی و شتری سواروں اور بار برداری کے تین ہزار اونٹوں کے ساتھ راجہ داہر پر کامل فتح پائی عین میدان جنگ میں راجہ داہر دسم ماہِ رمضان سنہ ۹۳ھ کو ایک عرب کی تلوار سے قتل کیا گیا۔

محمد بن قاسم چونکہ ہندو قیدیوں کے ساتھ بہت اچھے برتاؤ سے پیش آتا تھا۔ اور اپنے اخلاق و عادات سے اس نے تمام مفتوحہ علاقوں کو اپنا گرویدۂ احسان بنا رکھا تھا۔ اس لئے لوگ جوق جوق مسلمان ہوتے تھے۔ راجہ داہر کے واقعہ قتل یعنی آخری فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ایک عام اعلان کرا دیا۔ کہ جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ ہماری طرف سے کوئی پرسش نہ ہوگی البتہ آبائی مذہب پر قائم رہنے والوں سے ایک معمولی سا ٹیکس جس کا نام جزیہ ہے وصول کیا جائیگا۔ اور جو مسلمان ہو جائے گا اس سے خدائی ٹیکس یعنی زکوٰۃ کی رقم لی جائے گی۔ اس اعلان کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اور ملک کا کثیر حصہ بخوشی مسلمان ہو گیا۔

راجہ داہر کی دو رانیاں تھیں ایک تو اس کی حقیقی بہن رانی پائی جو راجہ داہر کے بعد اپنی سہیلیوں کے ساتھ ستی ہو گئی۔ دوسری رانی کا نام لاوی تھا۔ جو برہمن آباد میں رہتی تھی۔ الور کی شکست اور راجہ داہر کے قتل کے بعد اس کا بیٹا جے سیہ برہمن آباد ہی میں آگیا تھا جس کا قلعہ ہندوستان کے قلعوں میں زبردست اور ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ سی ساگر راجہ کا وزیر تھا وہ محمد بن قاسم کے اخلاق کا گرویدہ ہو کر اور جے سیہ اور

رانی کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں کی فوج میں جا ملا۔ رانی لاڈی نے جو
ابھی عالم شباب میں تھی۔ سرداران لشکر کو معرکہ آرائی پر آمادہ کیا۔
شہر والے ڈھول بجاتے ہوئے شہر برہمن آباد سے نکلتے اور
دو چار حملے کر کے شام کو واپس آجاتے۔ رانی کے ساتھ محمد علافی تھا
اور محمد بن قاسم کے ساتھ موکا ایک ہندو سپہ سالار تھا۔ آخر چھ
ماہ کے بعد علافی اور جے سنگھ[1] دونوں برہمن آباد کا قلعہ ترک کرنے پر
مجبور ہوئے۔ اہل قلعہ نے جان کی امان مانگی۔ اور جب محمد بن قاسم نے
انہیں ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کا یقین دلایا۔ تو
انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ انہی محصوروں میں رانی لاڈی بھی
تھی۔ جو اکثر معرکوں میں اپنی فوج کی مقدمۃ الجیش رہتی تھی۔ اس نے
چند سرداروں کو جمع کیا۔ اور ایک آخری مقابلہ کیا۔ مگر خدا کو یہ منظور تھا
کہ نہ صرف فصیل قلعہ پر بلکہ سارے ملک سندھ میں نعرۂ تکبیر بلند ہو
اس لئے رانی گرفتار ہو کر محمد بن قاسم کے پاس لائی گئی۔

محمد بن قاسم بلا کا حسین و جمیل نوعمر سردار تھا۔ رانی نے اُسے
دیکھا۔ اُس کی بہادری کو دیکھا۔ اس کے حسن اخلاق کے چرچے سُنے۔
اپنے وزیر سی ساگر اور دیبل کے گورنر نو مسلم ہاسے مذہب اسلام کی
خوبیاں معلوم کیں۔ اس کے علاوہ جب محمد بن قاسم کا یہ اعلان سُنا
مذہبی کسی کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو اسلام قبول کرے گا۔
اس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی اور جو اسلام

[1] حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ ۱۰۰ھ میں جب سندھ کا گورنر عمر بن مسلم باہلی تھا
جے سنگھ بن راجہ داہر نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

قبول نہ کریگا - اس سے جزیہ لیا جائیگا۔ مسلمانوں کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہوگی - نہ زمینیں چھینی جائینگی نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پونچایا جائیگا - اور مالگزاری وغیرہ کی وصولی کا انتظام خود باشندگان سندھ ہی کے ہاتھوں میں رہیگا[۵] تو اس پر مذہب اسلام کے محاسن اور بھی روشن ہو گئے - تبدیل مذہب کے متعلق وہ کئی دنوں تک بے چین رہی - آخر اس نے اسلام قبول کر کے اس روحانی تکلیف سے نجات حاصل کی - خاندان شاہی یعنی راجہ داہر کے بہت سے عزیز و اقارب اور اعلیٰ سردار آغوش اسلام میں آ چکے تھے - جب انہوں نے سنا - کہ رانی بھی مسلمان ہو گئی ہے تو وہ لوگ نہایت خوش ہوئے - رانی چونکہ ابھی بالکل نوعمر تھی - اور محمد بن قاسم بھی ابھی شباب کی تیاریوں میں تھا - اس لئے امراء و وزرائے حکومت کے مشورہ سے دونوں کا نکاح ہو گیا -

سنہ ۹۵ھ میں محمد بن قاسم کے مربی حجاج بن یوسف کا عراق میں انتقال ہو گیا - ادھر مسند خلافت پر عبدالملک کے بعد ولید اور ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک متمکن ہو چکا تھا سلیمان حجاج اور حجاج کے پروردوں کا دشمن تھا - اس لئے اس نے دوسرے حجاجی افسروں کو معزول و مغلوب کرنے کے بعد محمد بن قاسم کو بھی سندھ سے معزول کر کے واپس بلوایا اور صالح بن عبدالرحمان کے ہاتھوں اس بہادر و دانا اور سلامت رو عرب سردار کو جس نے ابھی زندگی کی اکیس بائیس بہاریں ہی دیکھی تھیں - واسط کے جیل خانہ میں قید کرا کے

---

[۵] آئینہ حقیقت نما باب اول صفحہ ۹۷

قتل کرا دیا۔

محمد بن قاسم ہندوستان میں صرف ساڑھے تین سال رہا ہے۔
اس دوران میں رانی لاڈی کے بطن سے اس کے ہاں ایک لڑکا ہوا تھا جس کا نام اس نے عمر رکھا تھا۔ اس کو سلیمان بن عبدالملک کی مخالفت و عداوت کا حال معلوم تھا۔ اس لئے جب وہ خلیفہ کے حکم سے واپس گیا ہے۔ تو وہ اپنے نوزائیدہ بچہ اور اپنی بیوی رانی لادی کو سندھ ہی میں چھوڑ گیا تھا۔ جہاں اس کی اس قدر عزت تھی۔ کہ جب وہ اس ملک سے رخصت ہوا ہے تو ملک کے عام رنج و ملال کے علاوہ شہر کیرج کے ہندوؤں اور بودھوں نے محمد بن قاسم کا ایک بت بنا کر رکھا۔ اور اس کی پرستش شروع کر دی[۱]
عمر اپنے باپ کے دوستوں کی نگرانی اور اپنی ماں کی آغوش شفقت میں پرورش پا رہا تھا۔ کہ بعہد ہشام بن عبدالملک گورنر عراق حاکم بن عبداللہ نے حکم بن عوانہ کلبی کو ۱۱۰ھ میں سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ حکم نے عراقی و شامی عربوں کو جو نومسلموں کے ساتھ کھیتی باڑی کے کام میں مصروف تھے۔ مختلف مقامات سے طلب کر کے ایک مقام پر اکٹھا کیا۔ تاکہ اس اجتماع سے ایک زبردست اسلامی طاقت پیدا کی جائے۔ انہی میں محمد بن قاسم کا بیٹا عمر بھی تھا جس کی عمر اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔ ۱۱۱ھ میں ان سب لوگوں کی ایک بستی محفوظہ کے نام سے بسائی گئی۔ اور بالآخر اس بستی کو سندھ کا دارالخلافہ قرار دیا گیا۔ چونکہ بعہد سابق گورنر سندھ کی چند ایک وعدہ خلافیوں اور بالخصوص

---

[۱] آئینہ حقیقت نما باب اول صفحہ ۱۵

سنہ ۱۰۶ھ میں جے سیہ اور اس کے بھائی کو جو مسلمان ہو چکے تھے۔ بلا وجہ قتل کر دینے سے کئی ایک نو مسلم رؤسا مرتد ہو چکے تھے۔ اور ملک میں بدامنی وشورش سی پیدا ہو رہی تھی۔ اس لئے حکم بن عوانہ نے عمر بن محمد بن قاسم کو جو ابھی نو خیز و نو عمر تھا لیکن جس میں باپ کی تمام اولوالعزمانہ صفات موجود تھیں۔ سندھ کی اسلامی افواج کا سپہ سالار بنا کر باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی و سرزنش کیلئے روانہ کیا۔

عمر[51] نے جابجا فتوحات حاصل کیں۔ تمام سرکشوں کو مطیع و منقاد بنایا اور اپنے باپ کی روایات کو زندہ رکھنے کے لئے کسی پر بے جا سختی بھی نہ کی۔ بلکہ عطایات و عنایات سے سب کو حلقہ بگوش کر لیا۔

دریا کے مغربی کنارہ پر عمر بن محمد نے محفوظہ کے بالمقابل ایک اور شہر آباد کر کے اس کا نام منصورہ رکھا۔ سنہ ۱۲۰ھ میں حکم بن عوانہ کے انتقال کے بعد جب دربار خلافت نے سندھ کی گورنری کا پروانہ عمر بن محمد کے نام بھیجا۔ تو عمر بن محمد نے محفوظہ کی جگہ منصورہ کو دارالصدر مقرر کر لیا۔ اور محفوظہ کی تمام رونق اور چہل پہل اور آرائش و زیبائش منصورہ میں منتقل ہو گئی۔

رانی لاڈی کا یہ لخت جگر جس نے گورنر سندھ ہو کر اپنی ماں کو پھر ایک دفعہ حکومت و سطوت کا جلوہ دکھا دیا تھا۔ افسوس ہے سنہ ۱۲۶ھ میں بعمر ۳۴ سال منصورہ ہی میں انتقال کر گیا۔ یہ وہ ایام تھے کہ خلافت بنی امیہ خلافت عباسیہ کے لئے جگہ خالی کر رہی تھی۔

---

[51] آئینہ حقیقت نما باب اول صفحہ ۱۱۵

عبداللہ اشتر کی برہمن رانی

حجاز و عراق میں خلیفہ منصور عباسی کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اور خلافت کی طرف سے عمر بن حفص (۱۴۵ھ) میں سندھ کی گورنری پر مامور تھا۔ کہ عبداللہ بن محمد المشہور عبداللہ اشترؒ[1] حجاز و عراق کی ہنگامہ آرائیوں کے بعد بصرہ سے ہوتا ہوا سندھ میں آیا۔

عمر بن حفص نے عبداللہ اشتر کے بھائی محمد المہدی کی بیعت اختیار کر کے عباسی نشانات (علم) کی جگہ محمد المہدی کی خلافت کے نئے جھنڈے تیار کر لئے۔ محمد المہدی کو عراق میں ۱۴ رمضان کو ۱۴۵ھ کو خلیفہ کی فوج نے قتل کر دیا جب یہ خبر سندھ میں پہنچی۔ تو عبداللہ اشتر عمر بن حفص کے مشورہ سے سندھ کے سرحدی راجاؤں میں سے ایک کے پاس چلا گیا جس میں دو خوبیاں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سندھ کے دیگر تمام راجاؤں سے طاقت میں بڑا اور سب سے زیادہ فوج رکھتا تھا۔ اور دوسرے یہ کہ ہر چند وہ علانیہ مسلمان نہیں تھا لیکن آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات کا شکر ان کے نام پاک کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اور چونکہ عبداللہ اشتر آنحضرت

---

[1] امام حسن بن علی بن ابو طالب کا ایک بیٹا عبداللہ تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ محمد ابراہیم۔ محمد نے خلیفہ کے خلاف خلافت کا دعوے کر کے اپنا نام محمد المہدی رکھا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن محمد کو جو عبداللہ اشتر کے نام سے مشہور تھا۔ ۱۴۰ھ میں سندھ کی طرف روانہ کیا۔ جہاں عمر بن حفص گورنر تھا اور در پردہ ان کی طرف مائل تھا۔

صلعم کے عزیز نواسہ امام حسن کی اولاد سے تھے۔ اس لئے عبداللہ اشتر کو یہ امید دلائی گئی تھی۔ کہ وہاں اس کو نہ صرف پناہ ملیگی۔ بلکہ اُس کی وہاں بڑی تعظیم و تکریم ہو گی۔

چنانچہ خط و کتابت اور چند شرائط کے طے ہونے کے بعد عبداللہ اشتر اس راجہ کے پاس جو برہمن تھا چلا گیا۔ راجہ نے واقعی شہزادوں کی طرح اس کا استقبال کیا۔ اور جب دیکھا۔ کہ گرد و نواح کے مسلمان اور عرب اس کے پاس جمع ہو رہے ہیں۔ اور چار سو آدمی ہر وقت اُس کے پاس جمع رہتے ہیں۔ اور رسول کریم کا نواسہ سمجھ کر اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ تو اپنی نوجوان مہ لقا بیٹی کی شادی اُس کے ساتھ کر دی۔

منصور کو جب عمر بن حفص اور راجہ کی ان حرکات کا علم ہوا تو ۱۵۱ھ میں اُس نے ہشام بن عمرو ثعلبی کو گورنر سندھ بنا کر بھیجا۔ اور عبداللہ اشتر کے گرفتار یا قتل کرنے اور راجہ کو سرزنش کرنے کی سخت تاکید کی ہشام نے سندھ پہنچکر راجہ سے عبداللہ اشتر کو طلب کیا۔ اُس کے انکار کرنے پر طرفین میں جنگ ہوئی۔ عبداللہ اور اس کے ہمراہی اور راجہ سب اس لڑائی میں مارے گئے۔ عبداللہ اشتر کی بیوی اور اس کا بیٹا جو شیر خوار بچہ تھا۔ اور اس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا۔ گرفتار کر کے خلیفہ منصور کے پاس دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھیجے گئے۔

عبداللہ اشتر کے رشتہ دار چونکہ مدینہ میں رہتے تھے۔ اس لئے خلیفہ نے اس کی بیوی اور بچہ کو مدینہ میں اُس کے رشتہ داروں کے پاس

سلہ ۵ آئینہ حقیقت نما باب اول صفحہ ۱۱۹

بھیجدیا۔ رانی کے ساتھ قیدیوں میں بھی کئی برہمن جو راجہ کے قرابت دار اور شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جنگی قیدیوں کی حیثیت سے مدینہ میں رہتے تھے اور عرف عام میں سب "ہندی غلام" کہلاتے تھے۔

خلیفہ ہادی (۱۷۰ھ وفات) کے زمانہ تک عبداللہ اشتر کی اس برہمن رانی اور اس کے فرزند کا پتہ تاریخوں سے چلتا ہے۔ اس کے بعد کا کوئی حال معلوم نہیں لیکن اس میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ کہ عبداللہ اشتر کی زوجیت میں آکر وہ مسلمان ہو چکی تھی۔ جب تک سندھ میں رہی مسلمان ہی رہی اور مدینہ کی طویل اقامت میں بھی اسلام پر ہی اس نے جان دی۔

رانی کنولا دیوی

سلطان[1] علاء الدین خلجی نے تیسرے سنہ جلوس ۶۹۷ھ میں فتح گجرات کے لئے اپنے نامور سرداروں کو ایک عظیم لشکر دیکر بھیجا۔ گجرات کا راجہ رائے کرن تھا وہ اس انبوہ عظیم کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اور راہ فرار اختیار کرکے رام دیو والیٔ دیوگڑھ کے پاس چلا گیا۔ اس کی رانیاں اور عورتیں اور خواتین اور خزانہ اور ہاتھی اور دیگر بہت سا سامان سلطنت امرائے شاہی کے ہاتھ آیا۔ جب غنائم و اموال سمیت یہ لشکر دہلی واپس آیا۔ تو سب چیزیں بادشاہ کے سامنے پیش ہوئیں۔ انہی میں راجہ کرن کی سب سے زیادہ خوبصورت رانی کنولا دیوی[2] بھی جو رانج محل کا سنگار تھی۔ موجود تھی بادشاہ اس کی صورت دیکھ کر پھڑک

---

[1] تخت نشینی ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۶ء وفات ۶ شوال ۷۱۶ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۳۱۶ء

[2] مولوی ذکاء اللہ مرحوم نے اپنی تاریخ ہندوستان کی جلد دوم میں رانی کنولا دیوی کو کولا دیوی بھی لکھا ہے

اٹھا۔ اس کی حرکات غیر یا اور تکلم تمکین نے اور بھی سونے پر سہاگہ کا
کام دیا۔ بادشاہ کے حکم سے رانی کو محلات شاہی میں داخل کیا گیا۔ اور
حکم دیا گیا کہ رانی کے لئے وہی سامان مہیا کیا جائے۔ جو بیگمات شاہی
کے لئے موجود رہتا ہے۔ جب بادشاہ نے متوسلین کے ذریعہ یہ سنا کہ
رانی حسن صورت کے علاوہ حسن سیرت بھی رکھتی ہے۔ اور اخلاق و عادات
اعلیٰ اور شاہانہ ہیں۔ تو وہ اور بھی اس کا فریفتہ ہو گیا۔ سب سے پہلے
رانی کو قبول اسلام کا پیغام دیا گیا۔ جسے اس نے بصد خوشی قبول کیا
اس کے بعد بادشاہ نے نکاح کا پیغام بھیجا رانی نادان نہیں تھی۔ سب کچھ
سمجھتی تھی۔ اور جو واقعہ پیش آنے والا تھا۔ اس سے بے خبر نہ تھی! اس
نے بادشاہ کے پیغام کو عزت و فخر کے ساتھ قبول کیا۔ مگر اتنی شرط پیش
کی کہ خضر خاں ولی عہد سلطنت کی والدہ کی طرح مجھے بھی ملکۂ جہان کا خطاب
دمرتبہ دیا جائے۔ بادشاہ کو کیا عذر تھا اس نے فوراً قبول کر لیا۔
اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ شادی کا انتظام کیا۔ رانی کنولا دیوی
نے محلات میں تمام بیگمات کے دل کے کنول پژمردہ کر رکھے تھے
بادشاہ رات دن اسی کا کلمہ پڑھتا تھا لیکن اس پر بھی اس کے اپنے
دل کا کنول ہمیشہ مرجھایا رہتا تھا۔ بادشاہ دلجوئی اور دلداری سے
کام لیتا تھا لیکن رانی اندر ہی اندر گھلتی رہتی تھی۔ آخر جب ۷۰۳ھ
میں بادشاہ نے راجہ رام دیو والئی دیوگڈھ یا دیوگیر کی گوشمالی کیلئے
جس نے تین سال سے خراج بھیجنا بند کر رکھا تھا۔ اپنے امراء روانہ کئے
تو کنولا دیوی نے اپنے دل کا راز جو درحقیقت اس کے لئے تپ دروں
تھا۔ بادشاہ پر ان الفاظ میں ظاہر کیا۔ "راجہ کرن کے ہاں خدا نے

مجھے دو بیٹیاں دی تھیں - بڑی تو بچپنے ہی میں پیوند خاک ہو گئی دوسری جس کا نام دیول دیوی ہے - ابھی زندہ و سلامت ہے - میرا دل بغیر اس کے مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہے - اگر بادشاہ کی توجہ اور عنایت سے میری لڑکی میرے پاس سلامت آجائے - تو آنکھوں کو سکھ کلیجے کو ٹھنڈک ہو"۔ بادشاہ نے جورانی کی ہر ادا پر سو جان سے قربان تھا کہا - کیا اسی بات کے لئے ملول رہا کرتی تھیں - یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے - چنانچہ اسی وقت فرمان سلطانی صادر ہوا - کہ راجہ کرن کو جو نواح دکن میں آوارہ پھر رہا ہے - دیول دیوی کے لئے پیغام بھیجو اور صلح سے یا لڑائی سے جس طرح ہو اسے دلی لاؤ -

رانی دیول دیوی

جب گجرات کا راجہ کرن ۷۰۳ھ میں علاء الدین خلجی کی فوجوں سے بدحواس ہو کر دیو گیر یا دیو گڈھ کی جانب بھاگ گیا تھا - تو راجہ رام دیو نے اس کی غریب الوطنی پر ترس کھا کر گجرات اور دیو گیر کی سرحد پر بگلانہ میں چند مضافات اس کو دیدیئے تھے جہاں وہ اپنے لٹے ہوئے قافلے سمیت ایک چھوٹے سے رئیس کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا - اس کی ایک بیٹی دیول دیوی جو نو دس سال کی تھی - اور اس چھوٹی سی عمر میں بلا کی ذہین اور شہسوار تھی - اس کے پاس تھی - اور وہ اسی کو دیکھ دیکھ کر زندہ رہتا تھا -

راجہ کرن اس حال میں بھی کہ راجگان میں اس کی کچھ زیادہ حیثیت نہ تھی - اپنے خاندانی نسب پر کسی اور کو ترجیح نہ دیتا تھا - راجہ رام دیو

جو اس نازک وقت میں اس کا مربی اور محسن تھا کا بڑا بیٹا سنگل دیو جس نے دیول دیوی کو کئی دفعہ دیکھا تھا۔ ہزار جان سے راجہ کرن کی بیٹی پر عاشق تھا۔ راجہ رام دیو نے بیٹے کا رُخ دیکھ کر راجہ کرن کو پیغام بھی بھیجا۔ مگر رام دیو چونکہ مرہٹہ تھا۔ اور کرن راجپوت تھا۔ اور راجپوت مرہٹوں کو بیٹی دینا بے عزتی کا باعث جانتے تھے! اس لئے یہ رشتہ باوجود کوشش کے بھی نہ ہو سکا۔

اسی اثناء میں بادشاہی آدمی بادشاہ کا پیغام لیکر آ گئے راجہ کرن نے اپنی بیٹی بادشاہی سپاہیوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ دو مہینہ تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ الغ خان حاکم گجرات دیول دیوی کے حصول کیلئے راجہ سے نرم سے نرم شرائط صلح طے کرتا تھا۔ مگر وہ ماننے میں نہیں آتا تھا جب بادشاہی فوج کے ساتھ راجہ کرن کو یہ معاملہ پیش آ رہا تھا۔ تو سنگل دیو نے باپ کی اطلاع اور مرضی کے بغیر اپنے چھوٹے بھائی بھیم دیو کو بہت سے تحفہ تحائف کے ساتھ راجہ کرن کے پاس شادی کا پیام بھیجا۔ راجہ کرن نے اس وقت مصلحت یہی سمجھی۔ کہ دیول دیوی کو تھوڑی سی سپاہ اور بھیم دیو کے ساتھ دیوگڈھ بھیجدیا جائے۔ چنانچہ اس پر فوراً عمل کیا گیا۔

اُدھر بادشاہی فوج نے تنگ آ کر راجہ کرن پر حملہ کر دیا۔ وہ پریشان ہو کر دیوگڈھ کی طرف بھاگ گیا۔ الغ خان کو مال غنیمت میں سب کچھ ہاتھ لگا۔ مگر وہ گوہر مراد جس پانے کے لئے یہ ساری جنگ ودو ہو رہی تھی ہاتھ نہ آیا۔ اس لئے اس فتح سے اس کا غنچۂ دل پژمردہ ہی رہا

بلکہ بادشاہ کے عتاب اور کنولا دیوی کے ملال سے اور اندیشہ پیدا ہوا۔ اس تجسس و پریشانی میں وہ دیو گڈھ کی طرف روانہ ہوا۔ جب رستہ میں الورہ کے غار آئے۔ فوج کے اکثر سپاہی ان غاروں کی عجیب و غریب دستکاریوں کو جو انسانی صنعت کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔ دیکھنے کیلئے ٹھہر گئے۔ یہاں چند سوار ان کو نظر آئے یہ سمجھے کہ رام دیو کی فوج ان کے تعاقب میں آئی ہے۔ مگر ذرا اطمینان کے بعد معلوم ہوا۔ کہ بھیم دیو کی فوج کے یہ سپاہی ہیں۔ جو دیول دیوی کو دیول گڈھ لئے جا رہے ہیں۔ مقابلہ ہوا۔ اور ایسے زور سے ہوا۔ کہ ایک ہی حملہ میں سب سپاہی تتر بتر ہو گئے۔ دیول دیوی ایک گھوڑے پر سوار تھی۔ اور ہوا ہو جانے کو تھی۔ کہ اس کا گھوڑا تیر کھا کر ایسا سہما۔ کہ ایک قدم آگے نہ چل سکا۔ سپاہی دوڑ کر اُس کے پاس گئے۔ اور بولے نکال جو کچھ تیرے پاس ہے اتنے میں ایک لونڈی چلا کر بولی ہاتھ مت لگانا یہی دیول دیوی ہے۔ جس کے لئے یہ سارا خون خرابہ ہو رہا ہے۔ سپاہیوں نے جب دیول دیوی کا نام سُنا۔ تو سکھپال میں بٹھا کر الغ خان کے پاس لے آئے۔ وہ دیکھتے ہی باغ باغ ہو گیا۔ اُسے عزت و حرمت کے ساتھ گجرات لایا۔ اور اپنی عرضداشت کے ہمراہ پالکی میں سوار کرا کے دہلی بھیجدیا۔

دیول دیوی جب محلات میں آئی۔ تو کنولا دیوی بے اختیار ہو کر دیوانہ وار دوڑی گئی۔ بیٹی کو پالکی سے اتروایا۔ اور دونوں گلے لگ گلے لگ کر اشک مسرت بہاتی رہی۔

دیول دیوی کی عمر اس وقت دس سال کے قریب تھی۔ اتنی ہی عمر بادشاہ کے ولی عہد خضر خان کی تھی۔ بادشاہ خضر خان کی شادی دیول دیوی سے کرنی چاہتا تھا۔ کنولا دیوی بھی اس بات پر رضامند تھی۔ اور اسی سبب سے وہ خضر خان سے بڑی محبت کرتی تھی۔ غرض دیول دیوی اور خضر خان ایک ہی محل میں پرورش پاتے۔ اور اخلاص و محبت کے ساتھ کھیلتے رہتے تھے۔ جوں جوں یہ بڑے ہوتے گئے ان کی محبت بھی ساتھ ہی ساتھ بڑھتی گئی۔

خضر خان کی ماں جو اپنے بھائی الپ خان کی بیٹی سے خضر خان کو بیاہنا چاہتی تھی۔ اس رشتہ پر رضامند نہ تھی۔ اس نے جب اپنے فرزند میں اس قسم کے آثار دیکھے کہ وہ دیول دیوی کے بغیر ایک ساعت بھی نہیں رہ سکتا۔ تو آئندہ کے خطرات سے آگاہ ہو کر دونوں کو جدا کر دیا۔ ایام فراق دونوں نے بڑی بے چینی سے گزارے۔ اگر پیام و سلام کا سلسلہ نہ ہوتا۔ تو خدا جانے ان کی کیا نوبت ہوتی خضر خاں کی ماں نے باوجود بیٹے کی نارضامندی کے اپنے بھائی کی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ مگر جب باپ نے اور ماں نے بھی دیکھا۔ کہ وہ ہر وقت غمگین اور اداس رہتا ہے۔ تو دیول دیوی کے ساتھ بھی اس کا بیاہ کر دیا۔

ملک کافور نام ایک غلام خواجہ سرائے کو بادشاہ نے بہت سر چڑھا رکھا تھا جب بادشاہ اپنی عیش پرستیوں کی وجہ سے کثرت امراض میں مبتلا ہوا۔ اور خضر خان کی والدہ اور اس کے دونوں بیٹوں شادی خان و خضر خاں نے اس کی تیمارداری کی طرف توجہ کم کی۔ تو

ملک کافور نے بادشاہ کے کان خوب بھرے۔ یہاں تک کہ اپنی شیطنت اور حکمت سے اس نے ملکۂ جہان کو محلات سے نکلوا کر پرانی دہلی کے اندر قید کر دیا۔ اور خضر خان اور شادی خان کو حبس دوام کا حکم دلوا کر اور گوالیار میں قید کرا کر اپنے لئے رستہ صاف کر لیا۔

باپ نے بیٹوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ صرف جان سے نہیں مارا باقی کوئی ظلم نہیں جو اس نے ان پر روا نہیں رکھا۔ خاوند کی ان سب مصیبتوں میں دیول دیوی ساتھ تھی۔ انتہا یہ ہے۔ کہ جب ان شہزادوں کو علاؤ الدین کی وفات کے بعد ملک کافور نے اندھا کرا دیا۔ اور جب بالآخر گوالیار میں خضر خان کو قتل کر دیا۔ تو دیول دیوی کے دونوں ہاتھ اپنے عاشق خاوند کے گلے میں پڑے ہوئے زخمی ہو گئے۔ اور خاوند کے ساتھ ہی قتل ہو کر خاوند کے پہلو ہی میں دفن ہوئی گئ ؎[1]

یوں دفن میرے ساتھ دل بیقرار ہو
چھوٹا سا اک مزار کے اندر مزار ہو

ان دونوں کا عشق ہندی فارسی شاعروں کے لئے ایک افسانہ بن گیا۔ بہت سے قصے لکھے گئے۔ اور بہت دلاویز پیرایہ میں لکھے گئے۔ اور صدہا برس تک لوگ ان کے گیت گاتے رہے۔ ان سب قصوں میں حضرت امیر خسرو کی مثنوی خاص طور پر مشہور ہے

---

[1] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوم صفحہ ۱۶۹

ملکہ مریم زمانی
اکبر کی جے پوری رانی

راجہ بہاری مل[۱] کچھواہہ والئی جے پور نے اکبر کے پہلے سال جلوس ۹۶۳ھ میں جب حاجی خان شیر شاہ کے ایک غلام کی حمایت میں اکبر کے ایک سردار مجنوں خاں پر حملہ کیا۔ تو معمولی سی لڑائیوں کے بعد مجنوں خاں گھر گیا۔ حاجی خان تو اُس کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ لیکن راجہ نے کہ مرد کہن سال اور واقعات کی تہ کو پہنچنے والا تھا۔ اُسے صلح پر مجبور کر کے عزت و حرمت کے ساتھ دہلی بھجوا دیا۔

یہی راجہ بہاری مل۔ راجہ بھگوانداس کے باپ اور اکبر کے نامور جرنیل راجہ مان سنگھ کے دادا تھے۔ مجنون خان نے دربار میں پہنچکر اکبر کے پاس راجہ کی مروت و محبت اور اس کی عالی نگاہی کی تعریف کی اکبر نے اپنے ایک خاص امیر کے ہاتھ راجہ کو دہلی بلوایا۔ وہ اپنے بھائی بندوں سمیت آیا اور خلعت اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر واپس گیا۔

جب جمادی الاول سنہ ۹۶۹ھ میں اکبر اجمیر آیا تو ایک امیر نے عرض کی کہ انبر (جے پور) کا راجہ حضور کے خاندان کا دولت خواہ ہے۔ اور دہلی میں حضور کے فرمان کے مطابق مورد انعام و اکرام بھی ہو چکا ہے مگر آج

---

[۱] اس کو راجہ بھاڑا مل بھی کہتے ہیں۔ اور جے پور کو پرانے تاریخی کاغذات میں انبر لکھا جاتا تھا۔

کل شرف الدین حسین مرزا حاکم میوات کی دراز دستیوں سے تنگ آکر
پہاڑوں اور گھاٹیوں میں چھپتا پھرتا ہے۔ اگر حضور کی توجہ شامل حال ہو
تو وہ خدمات عظیم بجالائے۔ اکبر نے اپنا ایک آدمی راجہ کو بلوانے کیلئے
بھیجا۔ بادشاہ سانگا نیر میں تھا۔ کہ راجہ بہاری مل اپنے بڑے بیٹے بھگوان داس
کو اہل وعیال سپرد کرکے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے
دلداری کے بعد امرائے خاص میں جگہ دی۔ راجہ نے اپنی عقیدتمندی
ووفاداری کے ایسے ثبوت دیئے کہ اکبر کی نظروں میں وہ روز بروز مقبول
ہونے لگا۔ اس خاندان کی نیک نیتی اور اخلاص مندی نے رفتہ رفتہ
یہاں تک ترقی کی۔ کہ اکبر اس سے قرابت داری پیدا کرنے کی تجاویز
سوچنے لگا۔

اس سے قبل اکبر نے کسی راجپوت راجہ کی لڑکی سے کوئی شادی
نہ کی تھی۔ اس لئے اسے بے حجابانہ کہتے یا کہلواتے ہوئے یہ بھی
اندیشہ تھا۔ کہ اگر راجہ نے انکار کر دیا۔ تو اس سے شہنشاہی وقار
کو صدمہ پہنچے گا۔

کسی تاریخ میں تو نہیں نظر سے نہیں گذرا۔ کہ کسی شخص کے
ذریعہ راجہ کو پیغام دیا گیا لیکن مجنوں خان اور چغتے خان دو شخص
ایسے تھے جنہوں نے راجہ بہاری مل کو بادشاہ کے حضور پیش کیا
تھا۔ ان میں مجنوں خان نے تو دہلی میں بلوا کر راجہ کو بادشاہ سے
انعام واکرام دلوائے۔ اور چغتے خان نے بادشاہ سے سفارش
کرکے شرف الدین حسین مرزا کے مظالم سے اس کو نجات دلوائی۔
غالباً انہی دونوں کی معرفت بادشاہ نے راجہ کو اس کی سبب سے ...

لڑکی کا پیغام بھیجا۔ دربار اکبری میں لکھا ہے۔ کہ "بادشاہ نے سوچا ان کے ساتھ قرابت ہو جائے۔ تو بہت خوب ہو اور یہ امر ممکن بھی نظر آیا۔ چنانچہ بڑے موقع کے ساتھ یہ سلسلہ ہلایا۔ اور اس میں کامیاب ہوا" اس سے معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کی مہربانیاں اور عنایتیں اور ذرہ نوازیاں دیکھ کر اس کی اپنی بھی خواہش تھی۔ کہ اس سے ایسا تعلق ہو جائے۔ کہ کچھواہوں میں اور شاہی خاندان میں کوئی فرق نہ رہے۔

چنانچہ راجہ نے سانگانیر کے مقام پر ہی شہنشاہ کی خدمت میں اپنی بیٹی بیاہ دینے کی درخواست پیش کی جس کو بادشاہ نے منظور فرمایا۔ اور بیاہ کی تیاریوں کیلئے راجہ کو رخصت کر دیا[1]۔

۹۶۹ھ میں یہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ راجہ بہاری مل پہلا راجپوت راجہ ہے جس نے نہ صرف شہنشاہ کی اطاعت قبول کی۔ بلکہ اُمرائے خاص میں اعزاز پایا۔ اور اپنی بیٹی جو ہمہ صفت موصوف تھی۔ بادشاہ کے ساتھ بیاہ دی۔ اس راجکماری کا صحیح نام کسی نے نہیں بتایا۔ میرے زیر نظر اس وقت دو کتابیں ہیں۔ ایک دربار اکبری۔ وہاں لکھا ہے سنہ ۹۶۹ھ میں راجہ بھاڑا مل کی بیٹی مان سنگھ کی پھوپھی بیگمات اکبری میں داخل ہو کر محل کا سنگار ہو گئی۔ اقبال نامہ اکبری میں سنہ ۹۶۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے۔ راجہ بہاری مل نے اپنی بیٹی کی شادی شہنشاہ سے کر دی۔ غرض اس کا اصلی نام جو جے پور میں اس کے ماں باپ نے رکھا تھا۔ اور وہ نام جو بیگمات شاہی میں داخل ہونے پر رکھا جاتا ہے۔ کسی نے بھی نہیں لکھا۔

---

[1] اقبال نامہ اکبری صفحہ ۱۴۹

شادی کے بعد رانی "شاہ بیگم" کے نام سے نامزد کی گئی۔ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو شاہ بیگم کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام سلیم رکھا گیا اور جو بعد میں جہانگیر کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ شہزادہ کی تولید سعید پر جہاں شعراء کو قصائد کے صلہ میں انعامات ملے وہاں بادشاہ بیگم کو بھی مریم زمانی کا خطاب ملا۔ جس کمرہ میں مریم زمانی کے بطن سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا۔ وہ کمرہ اب تک فتح پور سیکری میں موجود اور سنگتراشوں کی مسجد کے قریب واقع ہے۔ اس کی دیواروں کے تمام نقش ونگار مٹ چکے ہیں۔ آج کل یہ مکان درگاہ شیخ سلیم چشتی کے سجادہ نشینوں کے قبضہ میں ہے۔

۱۰۱۴ھ میں اکبر کی وفات نے مریم زمانی کا عیش و آرام چھین لیا۔ لیکن بیٹا سعادت مند تھا۔ اس نے کبھی ماں کے حکم سے سرتابی نہ کی۔ چنانچہ سنہ ۱ جلوس جہانگیری میں جب بیگمات شاہی شہزادہ خرم کے ہمراہ لاہور آئیں۔ تو بادشاہ اپنی والدہ مریم زمانی کے استقبال کے لئے گیا۔ اس کے علاوہ سنہ ۳ جلوس میں جب نرگا کھیلنے گیا۔ تو دل آمیز[1] باغ کی دلبستگی کے لئے مریم زمانی کو بھی ہمراہ لے گیا۔ پھر باغ دل افروز میں کہ راوی کے کنارہ پر واقع ہے۔ ماں کے سلام و آداب کیلئے حاضر ہوا۔ پھر سنہ ۱۲ جلوس مطابق ۱۶۱۷ء میں دوسری بیگمات کے ہمراہ مریم زمانی کو بھی حصول برکت و سعادت کے لئے سفر کاٹھیاواڑ میں ہمراہ لے گیا۔ سنہ ۱۴ جلوس میں شہنشاہ جہانگیر اپنی والدہ مکرمہ کو جنت الدنیا یعنی کشمیر میں اپنے ہمراہ لے گیا۔ مریم زمانی بھی اپنے بیٹے اور پوتوں پر جان قربان کرتی تھی۔ چنانچہ ۱۰۱۵ھ

[1] مولانا علم الدین سالک نے اپنے مضمون "مریم زمانی" میں بحوالہ توزک جہانگیری سرسید ایڈیشن میں اس باغ کا نام دل آمیز لکھا ہے لیکن تاریخ ہندوکار اللہ میں دل افروز درج ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے

میں جب جہانگیر کو سونے میں تولا گیا۔ جہاں وہ ایک من بارہ سیر نکلا! اور اس
خلاوہ ان کے بعد جب مختلف قسم کی خوشبو یات کے ساتھ
بارہ مرتبہ اس کا جشن وزن کیا گیا ۔ اور تمام اشیاء غرباء و مساکین میں تقسیم
کی گئیں ۔ تو ان سب کے اخراجات مریم زمانی نے اپنے خزانہ سے دیئے
سنہ ۳ جلوس جہانگیری تھا ۔ کہ بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر جہانگیر کی شادی
راجہ جگت سنگھ بن راجہ مان سنگھ کچھواہہ سے ہوئی مجلس عقد اور
محفل شادی مریم زمانی کے محل میں منعقد ہوئی ۔ اور تمام اخراجات
بھی بیگم نے خود ادا کیئے سنہ ۱۶ جلوس میں جہانگیر کے سب سے چھوٹے
بیٹے شہریار کی شادی ملکۂ نور جہان کی لڑکی لاڈلی بیگم سے جو شیر
افگن خان سے تھی قرار پائی ۔ حنا بندی کی رسم ملکہ مریم زمانی نے اپنے
محل میں ادا کی ۔

۹ ارجب سنہ ۱۰۳۲ھ کو اپنے نامور خاوند شہنشاہ جلال الدین اکبر کی
وفات کے ۱۸ سال بعد یہ خلیق بامروت اور سلیقہ شعار بیگم جس نے سیاسی
مصلحتوں سے شہزادہ سلیم اور دیگر شہزادگان کی شادیاں راجپوت
گھرانوں میں کرائی تھیں ۔ آگرہ میں انتقال کر گئی ۔

مریم زمانی کا مقبرہ سکندر لودھی کی بارہ دری میں بمقام سکندرہ واقع
ہے ۔ اس عمارت کی نچلی منزل چالیس کمروں پر مشتمل ہے ۔

بیگم نے آگرہ کی باؤلی ۔ سرائے اور باغ کے علاوہ لاہور میں ایک
مسجد بھی تیار کرائی ۔ جو بیگم شاہی مسجد کے نام سے آج بھی موجود ہے ۔
اور مستی دروازہ کے اندر قلعہ لاہور کے متصل واقع ہے ۔ یہ مسجد سنہ ۱۰۲۳ھ

ملہ از "مریم زمانی" مولانا علم الدین سالک بی اے ۔

مطابق ۱۶۱۴ء میں پایۂ تکمیل کو پونچی تھی صحن مسجد کے عین وسط میں ایک بہت بڑا حوض ہے۔ تمام عمارت قالبوتی ہے۔ اور لکڑی کا کہیں نام بھی نہیں۔ مسجد کے شمالی دروازہ پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ ثبت ہے ؎

منت ایزد را کہ آخر گشت کار از ابتدے
ہم بتوفیق خدا و حکم صاحب مسندے
حضرت مریم زمانی بانیٔ ہذا المکان
شکر عنایات الٰہی ساختہ جائے ہدے
از پئے تاریخ ختم ایں بنائے چوں بہشت
فکر مے کردم کہ آخر یافتم خوش مسجدے

اور مشرقی دروازہ پر جو عین بازار کے درمیان ہے مندرجہ ذیل شعر کندہ ہے ؎

شاہ عالمگیر نورالدین محمد بادشاہ | بادیارب در جہان روشن چوں نور مہر و ماہ

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں یہ مسجد بارودخانہ کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ جب پنجاب دولت برطانیہ کے قبضہ میں آیا تو ۱۸۵۰ء میں یہ مسجد ایم ڈی گریگر صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور نے مسلمانوں کی عبادت کے لئے واگذار کر دی۔

جے پوری رانی مان بائی

جہانگیر اپنے حالات میں لکھتا ہے میں ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو چہارشنبہ کے دن پیدا ہوا ۹۹۳ھ میں کہ میری عمر پندرھویں سال میں تھی - راجہ بھگوانداس کچھواہہ کی بیٹی سے جو دربار اکبری کے امرائے اعظم میں سے تھا - میری شادی ہوئی - یہ راجہ ہندوستان کے نامور راجاؤں میں شمار ہوتا تھا - چونکہ یہ میری پہلی شادی تھی - اور ہندوستان کے ایک امیرالامراء راجپوت راجہ کے ہاں ہوئی تھی - اس لئے میرا باپ اکبر میری برات کے ہمراہ خود راجہ کے گھر گیا اس رانی کا نام مان بائی تھا جو کتب تواریخ میں جے پوری رانی کے نام سے مشہور ہے ۹۹۴ھ میں اس رانی کے بطن سے میرے ہاں لڑکی ہوئی جس کا نام اس کے دادا نے سلطان النساء رکھا - ۹۹۷ھ میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس پر محلات شاہی میں بڑی خوشیاں منائی گئیں - میرے باپ نے اس کا نام سلطان خسرو رکھا - راجہ مان سنگھ جس نے اکبر کے عہد میں بڑا رسوخ حاصل کیا ہے خسرو کا ماموں تھا -

اکبر چونکہ خسرو سے بہت محبت کرتا تھا - اس لئے بھگوانداس اور اس کے دونوں بیٹوں مان سنگھ اور مادھو سنگھ اور بعض اور خودغرضوں کی حمایت سے اپنے باپ کی بجائے اسے اپنی ولی عہدی کا یقین ہو رہا تھا - اور راجہ بھگوانداس اور مان سنگھ بھی اکبر سے ہمیشہ جہانگیر کی جو ان دنوں شہزادہ سلیم تھا - برائیاں کرتے رہتے تھے -

یہاں تک کہ اکبر اور جہانگیر اور جہانگیر اور خسرو میں لگاڑ ہوگیا۔ بلکہ جہانگیر نے باپ سے علانیہ بغاوت اختیار کر لی۔

اکبر کے مرنے کے بعد ولی عہدی تو جہانگیر ہی کو ملی لیکن اس کا نوجوان مگر ناتجربہ کار اور ناعاقبت اندیش بیٹا خسرو اس سے باغی ہی رہا۔ ان تمام سازشوں اور شرارتوں میں خسرو کی ماں کا کوئی دخل نہ تھا۔ البتہ خسرو کا نانا اور اس کے ماموں اور بعض دوسرے راجپوت خسرو کی ناتجربہ کاریوں کی وجہ سے اس کو بادشاہ بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے تھے۔ خسرو کی ماں جس کا نام افسوس ہے جہانگیر نے بھی اپنی توزک میں نہیں لکھا ہمیشہ بیٹے کو نشیب و فراز سے آگاہ کرتی رہتی مگر سلطنت کی ہوس ماں کی کوئی نصیحت کارگر نہ ہونے دیتی تھی۔

جہانگیر لکھتا ہے۔ خسرو کی ماں نہایت عقلمند باوفا اور بااخلاص بیوی تھی۔ وہ میرے ایک بال پر ہزار پسر و برادر قربان کر دیتی تھی۔ اس نے بیٹے کو شفقت مادری سے مجبور ہو کر بہت دفعہ سمجھایا۔ لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ ان تفکرات کی وجہ سے اُس کا دماغ جس میں اس کی موروثی دیوانگی کا کبھی کبھی زور ہو جاتا تھا۔ ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔ اور آخر ایک مدت کے علاج کے بعد اس کی طبیعت سنبھلی تھی۔

لیکن جب وہ بیٹے کی اصلاح کی طرف سے بالکل مایوس ہوگئی۔ اور اس نے بیٹے کی افسوسناک بغاوت کے عبرتناک انجام اور جہانگیر کے ساتھ جو اُسے محبت تھی اُس کا خیال کیا۔ تو اُس نے اس بے لطف

زندگی پر موت کو ترجیح دی - چنانچہ جہانگیر لکھتا ہے :یں ذی الحجہ سنہ ۱۰۱۳ھ کے آخری ایام میں شکار کو گیا ہوا تھا - کہ میرے بعد اس نے ۲۶ ذی الحجہ کو پریشانی و دیوانگی کی حالت میں بہت سی افیون کھا کر خود کشی کر لی -

رانی صرف بیٹے کی بغاوت ہی سے پریشان نہ رہتی تھی - بلکہ اس کے بھائیوں مان سنگھ و مادھو سنگھ کی شرارتیں بھی جو ہمیشہ خسرو کو بری صلاحیں دیا کرتے تھے - اُسے بے چین رکھتی تھیں - جہانگیر لکھتا ہے وہ اپنی زندگی میں یہ بات دیکھنا کسی صورت میں پسند نہیں کرتی تھی - کہ اس کے بھائی اور اس کا بیٹا میرے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی کریں - وہ تو اپنی جان پر کھیل کر اندوہ و کلفت سے چھوٹ گئی - لیکن میری زندگی بے لطف کر گئی - نہ کھانے پینے کو دل چاہتا تھا اور نہ کوئی اور بات اچھی معلوم ہوتی تھی - آخر جب میرے والد کو میرے اس حال کا علم ہوا - تو تسلی اور دلاسے سے بھرا ہوا ایک شفقت و مرحمت نامہ "فدوی خاص" یعنی جہانگیر کے نام بھیجا - اور خلعت و دستار مبارک اپنے سر سے اتار کر میرے پاس بھیجے اس عنایت نے میرے سوز و گداز کی آگ پر پانی ڈالا جس سے میرے اضطراب و اضطرار کو قرار آیا -

جہانگیر کی یہی ایک بیوی نہیں تھی - بلکہ اس رانی کے انتقال (سنہ ۱۰۱۳ھ) تک اُس کی مندرجہ ذیل شادیاں ہو چکی تھیں -

سنہ ۹۹۴ھ میں اس کی دوسری شادی راجہ اودے سنگھ کی بیٹی سے ہوئی - اکبر بہو کو بیاہنے کے لئے خود سمدھی کے گھر گیا - سنہ ۹۹۷ھ

ہیں اس کی تیسری شادی زین خان کوکہ کے چچا خواجہ حسن کی دختر یا بھتیجی سے ہوئی - ایک شادی اس کی سعید خان اکبری امیر کی لڑکی سے ہوئی - اس کی چوتھی شادی راۓ راۓ سنگھ بن کلیان مل والئے بیکانیر کی دختر سے ہوئی ۹۹۸ھ میں اس نے پانچویں شادی راجہ کیشو داس راٹھور کی بیٹی سے کی ۹۹۹ھ میں اس کی چھٹی شادی جگت گسائیں عرف جودھا بائی سے ہوئی - جو موٹا راجہ (راجہ اودے سنگھ بن راجہ مالدیو والئے جودھپور کی لڑکی تھی -

جب اکبر ۱۰۰۰ھ میں کشمیر گیا سلیم اس کے ہمراہ تھا - اکبر نے پولیٹکل مصلحتوں کی بنا پر یعنی خطۂ کشمیر کے امرا اور رؤسا اور جاگیرداروں کو تابع کرنے کے لئے مبارک خاں حسین چک کی ایک بیٹی کا نکاح سلیم سے کر دیا شاہزادہ کی یہ ساتویں شادی تھی - آٹھویں شادی اس نے شاہی بیگم دختر ابراہیم حسین[۱] مرزا سے کی نویں شادی شہزادہ کی

[۱] ابراہیم حسین مرزا تیمور کی ساتویں نسل میں تیموری شہزادہ تھا - اس کے باپ محمد سلطان مرزا کو سلطان علی مرزا فرمانروائے خراسان اس کے نانا نے پالا تھا علی مرزا کے بعد جب خراسان میں ہنگامہ فساد برپا ہوا - تو یہ بابر کے پاس ہندوستان چلا آیا جس نے اس کی ہر طرح دلجوئی کی - ہمایوں نے بھی مراعات کا سلسلہ برابر جاری رکھا - اکبر کے زمانہ میں یہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا اس لئے اس نے سپاہگری کی خدمت سے معافی دے کر سرکار سنبل میں ایک جاگیر دیدی - اس کے چار بیٹوں میں سب سے بڑا ابراہیم حسین مرزا تھا - اور ان سب کو سرکار سنبل میں علیحدہ علیحدہ جاگیریں دی گئی تھیں - لیکن ان تیموری مرزاؤں نے اکبر کے سوتیلے بھائی مرزا حکیم کے ساتھ مل کر اس کو بہت تکلیف دی -

اسی سال میں تبت کے حاکم علی رائے کی بیٹی سے ہوئی۔ یہ شادی بھی پولیٹیکل مصلحتوں کی بنا پر ہوئی تھی۔

اتنی شادیوں اتنی بیگموں اور اتنی رانیوں کے باوجود جہانگیر اس رانی کا ماتم کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ رانی عقل کے جوہر سے آراستہ تھی۔ اور اعلیٰ خوبیوں کا ایک مجموعہ تھی۔ اس لئے خاوند کی محبت پر بھائیوں اور بیٹے کی محبت کو قربان کر دیا تھا۔ اس نے اپنی خوش سلیقگی۔ لیاقت اور اپنے نیک اطوار سے ہمیشہ جہانگیر کو خوش رکھا۔

رانی جودھ بائی

سیاسی مصلحتیں اور مدبرانہ دور اندیشیاں اکبر کی خانہ زاد کنیز کیں تھیں۔ گو راجہ بھگوانداس[1] (جے پور) اور راجہ کلیان مل (بیکانیر) اور راجہ جیسلمیر وغیرہ راجگان کی لڑکیاں لے کر اور ان سب کو اپنا قوت بازو بنا کر تو اس نے ہار ہیں ان کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے لیکن جودھپور اس زمانہ میں چونکہ تمام راجپوتوں میں ایک سر برآوردہ ریاست تھی۔ اس لئے اکبر اس ریاست سے بھی ایسا ہی تعلق پیدا کرنے کا آرزومند رہتا تھا۔ جیسا کہ وہ دوسرے راجپوت والیان ریاست سے پیدا کر چکا تھا۔ چنانچہ راجہ بھگوانداس اور راجہ کلیان مل جو اکبر کے سمدھی تھے۔ راجہ اودے سنگھ رام کرنے اور شاہزادہ سلیم

[1] راجہ بہارا مل کچھواہا جے پور کا بڑا لڑکا۔ سلیم کا خسر اور خسرو کا نانا تھا۔ راجہ بھگوانداس ۹۹۶ھ میں بمقام لاہور فوت ہوگیا (طبقات اکبری صفحہ ۳۸۲)

کی شادی کا پیغام دینے کے لئے مقرر ہوئے۔ ان دونوں راجوں نے اودے سنگھ کو تمام نشیب و فراز سمجھائے۔ اور بتایا کہ اکبر کی سلطنت سے مقابلہ کرنا یا اکبر کو ناراض کرنا اپنی تباہی و بربادی کا موجب ہے اور پھر تمہاری بیٹی سلیم کے لئے لی جاتی ہے۔ جو ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کا آئندہ بادشاہ ہونے والا ہے۔

راجہ اودے سنگھ نے کئی دنوں کے غور و خوض کے بعد آخر اپنی نور نظر کی شادی ولی عہد سلطنت کے ساتھ منظور کر لی۔ اودے سنگھ جودھپور کے نامور راجہ مالدیو کا جانشین تھا جس کی حشمت و شوکت کے متعلق جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے "از راجہائے معتبر صاحب شوکت بود۔ وشمار لشکر او بہ ہشتاد ہزار سوار رسیدہ اگرچہ رانا سانگا کہ با حضرت فردوس مکانی انار اللہ برہانہ مصاف دادہ در دولت و حشمت عدیل و نظیر راؤ مالدیو بودہ لیکن بہ حسب وسعت ملک وکثرت لشکر راؤ مالدیو فزونی داشت"

اودے سنگھ کو تاریخوں میں موٹھا (موٹا) راجہ بھی لکھا گیا ہے اس لئے کہ وہ جسمانیت کی لحاظ سے نہایت لحیم و جسیم تھا۔ اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ چھوٹی لڑکی کی شادی جے مل ولد روپسی[۵] کچھواہا کے ساتھ ہوئی۔ بڑی لڑکی کا نام جگت گوسائین تھا۔ اور چونکہ جودھپور کی راجکماری تھی۔ اس لئے عوام میں رانی جودھ بائی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

---

[۵] راجہ بہارامل کچھواہا کا بھائی تھا۔ روپسی یا اوپسی نام تھا۔ سب بھائی ملازمان شاہی میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے۔

جودھا بائی کو اُس کے باپ نے علاوہ دیگر علوم کے فن سپہ گری کی بھی پوری تعلیم دلوائی تھی - اور وہ بھی اکثر معرکوں میں شریک ہو کر اپنی شجاعت کے جوہر دکھایا کرتی تھی - وہ بلا کی ذہین بذلہ سنج لطیفہ گو اور حاضر جواب تھی - اس کی لیاقت اور اس کے بیمثال حُسن کی وجہ سے اُس کے باپ کو اکثر راجاؤں کے پیغام آتے تھے - مگر چونکہ روز ازل سے اُس کے مقدر میں ہندوستان کے جلیل القدر شہنشاہ کی بیگم بننا لکھا تھا - اس لئے اس نے بڑے سے بڑے با اقتدار شخص کو بھی اپنا شوہر بنانا پسند نہ کیا -

غرض راجہ بھگوانداس اور راجہ کلیان مل کی تحریک و ترغیب سے جب راجہ اودے سنگھ نے اکبر کے حضور سلیم کو اپنی فرزندی میں قبول کرنے کی درخواست پیش کی - تو ساتھ ہی یہ بھی شرط لگا دی - کہ اعلیٰ حضرت اپنے تمام عمائدین کے ساتھ میرے غریب خانہ پر تشریف فرما ہوں اکبر نہ صرف عمائدین کے ساتھ گیا - بلکہ شاہی حرم کی تمام خواتین بھی ہمراہ لے گیا - چنانچہ خافی خاں لکھتا ہے "وہمہ محجلہ نشینان سراچۂ عصمت رونق افزائے خانہ و کاشانۂ راجہ گردید" اس شادی کی تمام رسومات راجہ اودے سنگھ کی فرمائش کے مطابق ہندوستانی طریقہ پر ادا کی گئیں -

راجہ شہنشاہ کے حضور میں تمام مراسم نیاز و پیشکش بجا لایا امرائے عظام کو تحائف دیئے - اور شاگرد پیشہ اور عام لوگوں کو اُس نے نام بنام خلعت دیئے - شہنشاہ راجہ کے خلوص سے ایسا خوش ہوا کہ اُس نے بے اختیار ہو کر اپنی بہو کے محافہ (پالکی) کو کندھا دیا -

یہ ایسا اعزاز تھا۔ جو آج تک کسی رانی کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ دربار اکبری میں تاریخ بدایونی کے حوالہ سے اس شادی کا جو ذکر ہے۔ اس میں سے چند سطریں لکھتا ہوں سلیم کی عمر ۱۶ برس کی تھی۔ بادشاہ معہ اُمرائے دربار آپ بیاہنے چڑھے محلس عقد میں قاضی مفتی اور شرفائے اسلام حاضر ہوئے نکاح پڑھا گیا۔ دو کروڑ ٹنگے کا مہر باندھا۔ پھیرے بھی ہوئے ہون وغیرہ ہنود کی رسمیں بھی ہوئیں۔ دُلھن کے گھر سے دلھا کے گھر تک پالکی پر برابر اشرفیاں نچھاور کرتے آئے۔ لڑکی کے باپ راجہ بھگوانداس نے کئی گھوڑے سو ہاتھی غلام حبشی۔ چرکس ہندی صدہا لونڈی غلام سونے چاندی کے گہنے۔ لباس ہائے رنگا رنگ کے صدہا صندوق فرش ہائے بوقلموں بے شمار چیزیں دیں۔ اُمرا کو بھی ہر ایک کے مناسب حال خلعت اور گھوڑے عراقی۔ ترکی تازی ہندی رپہلی زین اور ساز و یراق سے آراستہ دیئے۔ ابوالفضل نے قطعہ لکھا ؎

دین و دنیا را مبارک باد کیں فرخندہ عقد	از برائے انتظام دنیا و دین بستہ اند
از نگارستان دولت نور چشم شاہ را	جملہ چوں پردہ ہائے دیدہ رنگیں بستہ اند

جن دنوں اکبر لاہور کی رونق و آبادی کے لئے لاہور میں مقیم تھا شاہزادہ سلیم بھی معہ اپنی رانیوں کے لاہور میں ہی تھا۔ اسی عروس البلاد شہر میں رانی جودھا بائی کے بطن سے ۳۰ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ مطابق ۶۔۱۵۹۱ جلوس اکبری میں شہزادہ خرم پیدا ہوا جس نے بعد میں شاہجہاں کے لقب سے ہندوستان میں جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی ہے۔ جہانگیر خود لکھتا ہے "از جگت گوسائین دختر راجہ موٹھا

؎ صفحہ ۱۵۵ ایڈیشن اول مطبوعہ ۱۸۹۵ء

سلطان خورم از سنہ سی و شش از جلوس ہمایوں والد بزرگوارم در بلدۂ لاہور مارا بہ وجود خود خرم ساخت‘‘

ولادت سے تیسرے دن بعد اکبر نے جہانگیر کی دولت سرا میں آکر شہزادہ کا نام خورم رکھا۔ اور اُسے اپنا پسر خوانده کہا۔ اسی تعلق سے شاہجہان جہانگیر کو ہمیشہ ’’شاہ بھائی‘‘ کہا کرتا تھا۔

سنہ ۱۰۱۴ھ میں جب اکبر مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ اور راجہ مان سنگھ و مرزا عزیز کوکہ نے جہانگیر کو بیدخل کر کے خسرو کو ہندوستان کا تخت دلوانا چاہا۔ تو جگت گوسائیں نے نہایت دانشمندی سے کام لیکر راجہ مان سنگھ اور مرزا عزیز کوکہ کا زور توڑا۔ اس نے ایسے وقت میں جبکہ قلعہ معلیٰ دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ متعدد بار اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ اور شہزادہ خورم کو بلانے کے بہانے اندر آئی۔ اور ہر بار شہزادے کو راجپوت امرا میں بے اتفاقی ڈلوانے اور راجہ مان سنگھ کا زور توڑنے کے لئے کچھ نہ کچھ ہدایات کیں۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ معاملہ بالکل درست ہو چکا ہے۔ تو اس نے اپنے سرتاج سلیم کو مجبور کیا۔ کہ وہ قلعہ معلیٰ میں جائے۔ اور بادشاہ سے خطا بخشی کرا کر اپنا حق حاصل کرلے۔ شہزادہ سلیم قلعہ میں گیا۔ اور بادشاہ کے پاؤں پر گر پڑا۔ بادشاہ نے اسے اپنے قدموں سے اٹھایا۔ اور اپنا تاج اور تلوار اسے عطا فرمائی۔ اور اعلان کیا۔ کہ میرے بعد تخت کا وارث شہزادہ سلیم ہے۔

۱؎ از مضمون جودھا بائی مرتبہ مولانا علم الدین سالک بی اے مندرجہ سالانہ نمبر قوس قزح از صفحہ ۴۷ تا صفحہ ۵۰

تخت نشینی کے بعد جگت گوسائیں کا عروج و اقتدار دن بدن بڑھتا گیا۔ شہزادہ خورم کی ترقی مناصب بہت کچھ اسی کے دم سے وابستہ ہے خسرو کی بغاوت فرو کرنے کے بعد جب سنِ اول جلوس جہانگیری میں تمام بیگمات لاہور آئیں۔ تو جگت گوسائیں بھی ان کے ساتھ تھی چنانچہ ملا محمد صالح کا بیان ہے:۔

"جرم بے توقف منشور عنایت آمیز در بارہ طلب ایں شاہ بلند اقبال (شہزادہ خورم) و سائر مخدرات و خزائن از موقف جاہ و جلال صدر دریافت آں عالی فطرت بمجرد وصول فرمان عالیشان با جمیع بیگمہا و مجموع کارخانجات بیوتات دوازدہم ربیع الآخر سال ہزار و پانزدہ ہجری آمدہ او ک سعادت حضور رنمودند"[۵۱]

لاہور میں کچھ عرصہ قیام پذیر ہونے کے بعد مخدرات جن میں جگت گوسائیں بھی شامل تھی۔ کو لیکر کابل کی سیر کے ارادے سے روانہ ہوا۔[۵۲]

۱۰۱۸ھ میں جب شہزادہ خورم کی شادی صبیہ مظفر حسین خان میرزا کے ساتھ قرار پائی۔ تو ساچق اور دیگر تمام لوازمات شادی کا بند و بست بیگم مذکور نے خود اپنے ذمہ لیا۔

۱۰۱۹ھ میں جب جہانگیر شیر کے شکار کے لئے گیا۔ تو جگت گوسائیں بھی اس کے ہمراہ گئی۔ چنانچہ جہانگیر کے ساتھ اس نے بھی شیر کا شکار کیا۔[۵۳]

۱۰۲۵ھ میں وہ پھر نور جہاں اور جہانگیر کی معیت میں شکار کیلئے گئی۔ خافی خاں نے اس شکار کے متعلق ایک نہایت عجیب و غریب

۵۱ عمل صالح صفحہ ۱۴ ۔ ۵۲ توزک جہانگیری صفحہ ۴۱۳ ۔ ۵۳ توزک جہانگیری صفحہ ۵۹

واقعہ قلمبند کیا ہے جس سے بیگم کی تہور منشی اور دلاوری کا پتہ چلتا ہے وہ لکھتا ہے:۔

"آج سے ایک دو برس پیشتر کا ذکر ہے۔ کہ بادشاہ اپنے محل قدیم یعنی رانی کلاں (جگت گوسائیں) اور نور جہاں کے ساتھ شکارگاہ میں آیا۔ قراول ایک شیر کو گھیر کر احاطہ باڑ میں لائے۔ اس سے پیشتر کہ شیر زد پر آئے۔ بادشاہ پر نیند کا غلبہ طاری ہوگیا۔ اس نے اپنی خاص بندوق بہ قبیلہ مسند خاص کے پاس رکھدی۔ ہر دو بیگمات دو تین خواصوں کے ساتھ بادشاہ کی حفاظت کر رہی تھیں۔ کہ یکایک شیر غراتا ہوا ایک طرف سے نکلا۔ نورجہاں تفنگ اندازی سے عاری تھی جونہی مہارانی کی نظر شیر پر پڑی۔ اس نے بندوق اٹھائی۔ اور نشانہ باندھ کر سر کر دی۔ گولی شیر کے سینے میں اتر گئی۔ اور شیر "ابر صفت بہ غرش آمدہ یک نیزہ بالا جستہ بر زمین غلطید"۔ بندوق کی آواز اور شیر کی گرج سے بادشاہ بیدار ہوگیا۔ وہ شیر کو مردہ اور رانی کو تفنگ بدوش دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مگر جب اس کی نظر نور جہاں پر پڑی۔ تو اسے لرزاں ترساں اور گریزاں دیکھا۔ "بر رانیٔ کلاں آفریں گویاں تنگ در آغوش شفقت گرفتہ ازاں روز بر مہربانیٔ او افزودہ۔ و نور جہاں بیگم را تشنیع نمودہ در بارہ او کم توجہ گردیدند"[۱]

۱۰۲۶ھ میں جب جہانگیر گجرات کی سیر کو گیا۔ تو اس وقت بھی رانی اس کے ساتھ تھی۔

۱۰۲۸ھ میں وہ آگرہ کے باغ مظفر خاں میں مقیم تھی۔ کہ یکایک

---

[۱] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۸۰-۲۸۹

"عارضہ مخوف عارض طبیعت ایشاں گشت" بہت کچھ علاج معالجہ کیا گیا مگر کچھ آفاقہ نہ ہوا۔ "لاجرم آں رضیہ مرضیہ دعوت داعیٔ ارجعیٔ رابگوش لتسلیم ورضا نیوشید ند" اور سوم جمادی الاولیٰ ۱۰۲۹ھ کو اس دار البلاد سے روضۂ دار السلام کی طرف ہجرت کر گئی [۱]

بیگم کی وصیت کے بموجب نور منزل کے گرد و نواح میں باغ دہرہ میں اس کا مقبرہ تیار کیا گیا۔ چنانچہ ملا محمد صالح کا بیان ہے:۔

"دنیا بر وصیت آں خالص نیت مرقد منور در سرزمین بہشت آئین بنواحیٔ نور منزل کہ باغ دہرہ اشتہار دارد قرار یافت [۲]"

وفات کے دن حضرت جنت مکانی (جہانگیر) شہزادہ خورم کی منزل پر تشریف لائے طرح طرح کی عنایات اور مہربانیوں سے اس کی دلجوئی کی۔ اور "وظائف تعزیہ و تسلیہ کہ لازمۂ ایں ایام است آں حضرت راہمراہ گرفتہ بدولت سرا بردند [۳]"

وفات کے بعد بیگم کا لقب "بلقیس مکانی" قرار پایا چنانچہ ملا محمد صالح کا بیان ہے :۔ (ترجمہ)

"چونکہ تیموریوں میں یہ دستور چلا آتا تھا۔ کہ حرم سرا کی بیگمات کو خاص خاص خطابات عطا کئے جائیں۔ تاکہ ان کا اصل نام زبان زد خاص و عام نہ ہو۔ اس لئے "مریم مکانی" اکبر کی والدہ کا لقب ہے "مریم زمانی" والدہ جہانگیر کا۔ اور "بلقیس مکانی" والدہ شاہجہان ہے [۴]

بیگم کا مقبرہ آگرہ کے مشہور گاؤں خواجہ کی سرا کے پاس واقع ہے۔ اس کے ایک طرف ماپورہ اور دوسری طرف فتحپور سیکری واقع ہے۔ اس

[۱] عمل صالح صفحہ ۱۲۸ [۲] عمل صالح صفحہ ۱۲۸ - [۳] عمل صالح صفحہ ۱۲۸ - [۴] عمل صالح صفحہ ۱۱

کے پاس ہی چاند ماری کا میدان ہے۔ یہ عمارت دراصل ۷۸ فٹ مربع تھی۔
لیکن ۱۸۳۲ء میں جب گورنمنٹ برطانیہ کو چھاؤنی کی بارکوں کے لئے زمین کی
ضرورت پڑی۔ تو انہوں نے دروازہ۔ دیواریں۔ مینار۔ اور چہار دیواری
کو مسمار کر دیا۔ مسٹر لٹگر کا بیان ہے۔ کہ مقبرہ نہایت مضبوط تھا۔
وہ اس قدر مستحکم اور سخت تھا کہ کوئی طاقت اسے گرا نہیں سکتی تھی۔
اس لئے اسے ہاتھ مارنے کے بعد بھی چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس وقت اس کی
عمارت بالکل بے ڈھنگی اور کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ اسے نہ تو
انسانی ہتھوڑا گرا سکتا ہے۔ اور نہ گردش چرخ اسے مٹا سکتی ہے۔
قبر کا تعویذ سفید مرمر کا ہے۔ جو گنبد کے نیچے تہ خانہ میں واقع ہے۔
جہاں پہنچنے کے لئے چار راستوں سے گذرنا پڑتا تھا۔ ان میں سے تین
تو بند کر دیئے گئے ہیں۔ مگر چوتھے سے رینگ کر گذر سکتے ہیں۔
قلعہ آگرہ میں خاص محل کے جنوب اور دروازہ امر سنگھ کے متصل ایک
نہایت عظیم الشان عمارت سنگِ سرخ سے بنی کھڑی ہے۔ اس کا نام
"جہانگیری محل" ہے۔ نفاست کے لحاظ سے یہ عمارت بالکل بے عدیل
و بے نظیر ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ اس کی دیواریں طرح طرح کے
نقش و نگار سے مزین ہیں۔ اس عمارت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے
کہ اس میں کوئی محراب نہیں۔ چھت بھی سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔
اور ستون بھی سنگ سرخ کے ہیں۔ کگر ان پر سنگ سفید سے پچی کاری کی ہوئی ہے
عمارت کی وضع قطع نہ تو ہندوانہ ہے اور نہ مسلمانہ۔
تمام مورخین کا بیان ہے۔ کہ یہ وہی محل ہے۔ جہاں جہانگیر کی بیوی
جودھ بائی (جگت گوسائیں) دختر موٹا راجہ رہا کرتی تھی۔

بیگم کے خاص کمرہ کے پیچھے "آنکھ مچولی" ایک جگہ ہے۔ جہاں وہ دیگر بیگمات کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلا کرتی تھی۔ عمارت کی بالائی منزل نہایت عجیب و غریب ہے۔ چھت کے اوپر کچھ فوارے اور روشنیں بھی ہیں۔ ان فواروں میں جمنا کا پانی آیا کرتا تھا۔

اس کی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف یار لوگوں نے تراش رکھے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ نور جہاں بیگم نے اسے زک دینے کی غرض سے بادشاہ سے کہا۔ کہ حضور کے منہ سے تو بو آتی ہے بادشاہ رانی کی طرف مخاطب ہوا۔ اور فرمایا۔ کیا یہ سچ ہے؟ رانی نے فوراً جواب دیا۔ کہ "حضور! جس عورت نے صرف ایک ہی مرد کا منہ سونگھا ہو وہ خوشبو اور بدبو میں کیسے تمیز کر سکتی ہے؟ اور کیونکر بتا سکتی ہے۔ کہ حضور کے دہن مبارک سے بو آتی ہے؟" نور جہاں یہ انوکھا جواب سُن کر اپنا سا منہ لیکر رہ گئی۔ اور جہانگیر اس لطیفہ سے پھڑک اٹھا۔ اور گلے سے موتیوں کا ہار اتار کر رانی کو بخشدیا۔

اسی ضمن میں "مخدرات تیموریہ" کا مندرجہ ذیل مطائبہ بھی کچھ کم لطیف نہیں اس کے بعد پھر ایک دن نور جہاں کو شرارت سوجھی۔ اور اس نے جودھ بائی کو الزام دینے کی غرض سے بادشاہ سے کہا۔ کہ جودھ بائی رسوئی خوب پکاتی ہے۔ بادشاہ نے فوراً ارشاد کیا۔ کہ جودھ بائی! آج تم اپنے طریق پر رسوئی کا انتظام کرو اور اپنے ہی ہاتھ سے پکاؤ تو ہم کھائیں۔ جودھ بائی نے عرض کیا۔ بہت اچھا۔ یہ کہ کر رسوئی تیار کی لیکن کھلانے سے پیشتر نمک و مرچ کا ذائقہ چکھ لیا۔ نور جہاں جو اس موقعہ کی منتظر بیٹھی تھی۔ اور اسی پر گرفت کرنے اور الزام دینے کے لئے اس امر کی محرک تھی۔

بیساختہ بول اٹھی کہ اس نے نورسوئی جھوٹی کر دی ہے! ہندوؤں میں یہ دستور کہاں ہے۔ کہ عورت شوہر کو کھانا کھلائے بغیر رسوئی جھوٹی کر دے جودھابائی نے نہایت دلبری کے ساتھ جواب دیا۔ کہ جب شوہر کو جھوٹی ہی پسند ہو تو میں کیا کروں! جہانگیر اس لطیفہ سے نہایت خوش ہوا اور نورجہاں عرق خجالت میں غرق ہو گئی!"

بیگم کی خصائل حمیدہ میں یہ بات کچھ کم قابل ذکر نہیں۔ کہ وہ فیاض منش جواد نفس اور کریم الطبع تھی۔ بہت سی غریب اور اپاہج عورتیں اس کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتی تھیں۔ غریب لڑکیوں اور بے پناہ عورتوں کے لئے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اس کا خوانِ کرم ہندو مسلم دونوں کیلئے کشادہ تھا۔

راٹھور رانی

عالمگیر کے پانچ بیٹے تھے۔ ان میں چوتھے کا نام شاہزادہ محمد اکبر تھا اور وہ عالمگیر کا نہایت منظور نظر تھا۔ جب سنہ ۱۰۹۰ھ مطابق ۱۶۷۹ء میں عالمگیر نے اجمیر سے شاہزادہ محمد اکبر کو کہ اُس وقت اس کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ راجپوتوں کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ جو راجہ جسونت سنگھ کی وفات کے بعد سلطنت کے حق میں فاسد ارادے رکھتے تھے........

راجپوتوں نے نوجوان وناتجربہ کار لڑکے کو بڑے سبز باغ دکھائے۔ ان میں درگا داس راٹھور بڑا چرب زبان تھا۔ اس نے کہا بادشاہ کی محبت ہی آپ کے لئے زہر ثابت ہو رہی ہے! اس محبت ہی کی وجہ سے سب بھائی آپ کی جان کے دشمن ہیں۔ آپ بادشاہ کی زندگی ہی میں تخت جلوس کر لیں۔

تو ۴۰ ہزار جرار راجپوت سوار اور بے شمار خزانہ آپ کے قدموں پر نثار ہونے کو تیار ہے۔ علاوہ ازیں کسی نہ کسی ذریعہ سے اُس کو "ٹوٹے" کی خوشخبری بھی سنائی۔ یہ اور اسی قسم کی اور ترغیبیں ایسا جال تھیں کہ نوجوان شکاری نے اس دام میں گرفتار ہو کر نہ صرف بغاوت ہی اختیار کی بلکہ سکہ و خطبہ بھی اپنے نام کا جاری کر دیا۔

شاہزادہ محمد اکبر نے زمانہ بغاوت ہی میں رانائے جودھپور کی ایک حسین و مہ جمال لڑکی سے شادی کی جس کا اصل نام تو معلوم نہیں ہو سکا لیکن عرف عام میں اُسے راٹھور رانی کہتے تھے۔ اس رانی کے بطن سے ایک لڑکا بلند اختر اور ایک لڑکی صفیۃ النسا پیدا ہوئی[۱]

ان دونوں بچوں کو درگا داس راٹھور نے جو پادشاہ سے شہزادہ کو باغی و منحرف کرنے کا بانی مبانی تھا۔ محمد اکبر کے آوارہ وطن ہونے کے بعد اپنے پاس رکھا، اور چونکہ رانی اس کی قرابت دار تھی۔ اس نے اپنے مقدور سے زیادہ ان دونوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں کوشش کی

افسوس ہے شاہزادہ اکبر کا انجام اچھا نہ ہوا عالمگیر نے بیٹے کو خط و کتابت کے ذریعہ بہت کچھ سمجھایا۔ بلکہ ایک خط میں تو یہ بھی لکھا ہے

آب چون در روغن افتد نالہ خیزد از چراغ
صحبت ناجنس باشد ثمرۂ آزار ہا

لیکن شاہزادہ چالیس ہزار سوار کی جمعیت (جو بعد میں ستر ہزار تک ہو گئی تھی) اور بے شمار خزانہ اور رسالے راجپوتانہ کی امداد کے

---

[۱] تاریخ ریاست پالن پور حصہ دوم صفحہ ۱۳۷

بھروسہ پر باپ کی کسی تنبیہہ وشفقت کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ عالمگیر پولٹیکل داؤ پیچ میں خوب ماہر تھا۔ اُس نے آخری خط اس طریقہ سے اس مضمون کے ساتھ روانہ کیا۔ کہ وہ شاہزادہ کے پاس پہنچنے کی بجائے براہ راست راٹھوروں کے ہاتھ جا پہنچا۔ (اور یہی بادشاہ کا مقصد تھا) خط کے مضمون سے واقف ہوتے ہی سب گھبرا گئے۔ اور ان کے دلوں میں شاہزادہ کی طرف سے اس قسم کی بدگمانیاں پیدا ہوگئیں۔ کہ اس کو اپنے ساتھ رکھنا یا خود اس کا ساتھ دینا ان کے لئے دوبھر ہونے لگا شاہزادہ یہ حال دیکھ کر سنبھاجی راؤ والیٔ ستارہ کے پاس چلا گیا۔ وہاں جب مرہٹوں نے اُسے کوئی توقع نہ دلائی۔ تو وہ سقط وسیستان سے ہوتا ہوا سلیمان شاہ فرمانروائے ایران کے پاس اصفہان چلا گیا وہاں عرصہ تک شاہی مہمان رہا۔ اور جب وہاں بھی دل نہ لگا۔ تو شاہ ایران کی اجازت سے سرحد خراسان میں چلا آیا۔ اور یہیں سلطنت کی ہوس میں انتقال کر گیا یہ واقعہ ۱۱۱۶ھ مطابق ۱۷۰۴ء کا ہے۔ مفتاح التاریخ میں لکھا ہے۔ کہ شاہزادہ اکبر کی لوح مزار پر یہ حسرت ناک شعر کندہ ہے ؎

از جفائے چرخ واز بے مہریئے اورنگ زیب
برد اکبر آرزوئے تخت ہندوستان بہ گور

اب راٹھور رانی اور اس کے بچوں کا حال سُنیئے۔ شاہزادہ کے چلے جانے کے بعد ۱۱۰۷ھ مطابق ۱۶۹۵ء میں درگا داس نے مصائب آوارگی اور بادشاہی خوف سے تنگ آکر بادشاہ کے حضور عرض کیا۔ اگر ظل سبحانی میری تقصیرات معاف فرما کر براہ پرورش جاگیرات منضبطہ واگذاشت فرما دیں۔ تو فدوی شاہزادہ اکبر کے فرزندوں کو

حضور میں بھیجدے۔

اورنگ زیب نے شجاعت خان ناظم صوبہ گجرات و مارواڑ کے نام دیہ درخواست نواب کی معرفت ہی گئی تھی۔ اس عرضداشت کے جواب میں فرمان صادر کیا کہ "جو فوج راٹھوروں کے تعاقب پر متعین ہے۔ واپس بلا لی جائے۔ اور راجہ جیت سنگھ اور اُس کے نائب درگا داس کی ہر طرح تسلی کر کے محمد اکبر کے بال بچوں کو حضور شاہی میں بھیجدیا جائے۔ چنانچہ یہ بے سالار قافلہ جب اورنگ زیب کے پاس پونچا۔ تو محبت پدری کے جوش سے بیتاب ہو کر اس نے دونوں بچوں کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور بچوں کی اعلیٰ تربیت و تعلیم کی وجہ سے راجہ جیت سنگھ اور درگا داس نوازشات شہنشاہی کے مستحق قرار پائے۔

اودے پوری رانی

رانا اُدے پور کی یہ بیٹی حسن میں بے مثل اور عقل و دانائی میں منتخب تھی۔ راجوں اور شہزادوں کے پیام آتے تھے۔ راجہ خود اس کی رائے دریافت کرتا تھا۔ اور یہ بالا بالا اپنے خواہشمندوں کے حالات تحقیق کرتی تھی۔ یہاں تک کہ پچیس برس کی ہو گئی۔ اور ہنوز کوئی شوہر منتخب نہ کر سکی۔ اور کرتی کیونکر۔ قدرت نے تو اس کی قسمت میں عالمگیر جیسے عظیم الشان شہنشاہ کے پہلو میں بیٹھنا اور کفر کی ظلمت خیز تاریکی سے نکل کر اسلام کے نورانی سایہ میں زندگی بسر کرنا لکھا تھا۔

اس واقعہ کی بنا اس طرح ہوئی۔ کہ جب رانا راج سنگھ اودے پوری نے مہاراجہ جسونت سنگھ کے لڑکے اجیت سنگھ اور مہاراجہ متوفی کی رانی کی

اعانت میں باوجود معافیاں طلب کرنے اور جزیہ قبول کرنے کے سرگرمی دکھائی - تو بادشاہ اس بدقسمت رانا کی تادیب گوشمالی کے لیئے خود دارالخلافہ سے باہر نکلا - عالمگیری افواج نے پہاڑوں کے دروں میں گھس کر اور ہزاروں راجپوتوں کے سر قلم کر کے سارے جنگل کو خون سے لبریز کر دیا انہی گھاٹیوں اور انہی پہاڑیوں میں رانا راج سنگھ اپنے خزانے اور اہل وعیال سمیت جان سلامت لیکر چھپا ہوا تھا - آخر جو قیدی عالمگیر کے دربار میں زندہ گرفتار ہو کر آئے ان میں یہ حسین وجمیل اور شجاع وبہادر لڑکی بھی موجود تھی -

عالمگیر کے کی امداد سے یہ لڑکی محل شاہی میں داخل کی گئی - اس کی دانائی ولیاقت کا موقع وبے موقع ہر بات میں امتحان لیا گیا - اور جب ہر امر میں اسے قابل ولایق پایا تو اسے بیگمات شاہی میں جگہ دے کر اس کی عزت افزائی کی - چونکہ یہ اودے پور کی راجپوتنی تھی - اس لیئے اس کا نام "بائی اودی پوری" قرار پایا - بائی اودے پوری نے نہ صرف اپنی ظاہری حسن وخوبی سے بلکہ اپنی خداداد قابلیت اور اپنی شائستگی وتہذیب سے بیگمات عالمگیر میں تھوڑے ہی دنوں میں ممتاز درجہ حاصل کر لیا -

عالمگیر نے عمر کے آخری حصہ میں اپنے فرزندوں کو جو خطوط لکھے ہیں - ان میں ایک خط میں جو شاہزادہ محمد کام بخش کے نام ہے - اپنی اس رانی کا ذکر اس نے الفاظ ذیل میں کیا ہے . . . . . . " اودے پوری والدہ شما در بیماری با من بودہ ارادہ رفاقت دارد "

لفظ اودے پوری نے بڑے تماشے دکھائے ہیں بعض تو کہتے ہیں

اودے پوری نہیں جودھپوری ہے۔ اور بعض (فرنگستانی مؤرخ) کہتے ہیں۔ اودے پوری ایک عیسائی عورت کا نام تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اور جارجیا کی رہنے والی تھی۔ ایک بردہ فروش سے دارا شکوہ نے اس کو خریدا تھا۔ پھر اس داستان کو اور زیادہ پُرلطف بنانے کے لئے کہتے ہیں۔ وہ دارا کی محبوبہ بھی تھی۔ یہی اصلی سبب تھا کہ دارا کا رُجحان عیسائیت کی طرف بھی تھا۔ جب دارا قتل ہو گیا تو بادشاہ نے اپنے بڑے بھائی کی دو بیویوں سے شادی کرنی چاہی ان میں ایک تو باغیرت راجپوتن تھی۔ وہ تو زہر کھا کے مر گئی۔ مگر اس گرجستن لونڈی نے عالمگیر سے نکاح پڑھوا لیا۔ غرض اس قسم کے بہت سے لطیفے انگریز مصنفوں کی تاریخوں میں ہندوستان اور خصوصاً مغل شہنشاہوں کے متعلق درج ہیں۔

اسی رانی کے بطن سے دسویں رمضان ۱۰۷۷ھ ہجری کو شاہزادہ محمد کام بخش پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت شاہی پیمانہ پر ہوئی تھی۔ عربی و فارسی کے علاوہ ترکی زبان پر اسے کامل عبور تھا۔ کتب متداولہ میں اسے پوری مہارت تھی۔ بلکہ سب بھائیوں سے زیادہ ماہر تھا۔ اور زیادہ خوبی یہ تھی۔ کہ حافظ قرآن تھا۔ خط نستعلیق بہت اچھا لکھتا تھا اور کئی قسم کا لکھنا لکھتا تھا۔ شجاعت و سخاوت میں بھی بے مثل تھا۔ عالمگیر نے ۲۸ ذلقعدہ روز جمعہ ۱۱۱۸ھ کو صبح کی نماز پڑھنے کے بعد انتقال فرمایا تھا۔ اس کے تیسرے ہی سال بعد ۱۱۲۰ھ اسی مہینہ میں شاہزادہ کام بخش بعمر چوالیس سال انتقال کر گیا۔

رانی منوہر پوری

شہزادہ محمد کام بخش کی ہندو راجپوت رانی تھی۔ چونکہ تعلقہ منوہر پور کی رہنے والی تھی۔ اس لئے محلات میں منوہر پوری رانی کے نام سے موسوم رہی۔ عالمگیر جب ۱۱۱۴ھ چہل و ہفتم سال جلوس میں دکن کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ تو شاہزادہ محمد کام بخش معہ اپنی رانی کے اس سفر میں ہمراہ تھا۔ ۱۷ شعبان کو بادشاہ نے قلعہ کندانہ فتح کر کے لشکریوں کے آرام کے لئے ایام برسات پونا اور اس کے حوالی میں بسر کئے۔

پونا سیواجی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اُس کی حویلی کے اندر جس میں سیواجی نے امیر الامرا شایستہ خان کو نہایت ذلیل مکاری سے ساتھ چشم زخم پونچایا تھا۔ بادشاہ نے قیام کیا۔ رانی منوہر پوری کے بطن سے شہزادہ محمد کام بخش کا ایک لڑکا محمد محی الدین نام تھا دس برس کی عمر تھی۔ نہایت ہونہار اور ذہین اور خوبصورت شاہزادہ تھا۔ یہیں بیمار ہوا۔ اور یہیں انتقال کر گیا۔ بادشاہ نے شیخ صلاح الدین کے مزار میں اُسے دفن کرایا۔ اور اپنے پوتے کے نام پر پونا کا نام محی آباد رکھا۔

شاہزادہ محمد معظم کی رانی

اس رانی کا صحیح نام نہیں مل سکا۔ پادشاہنامہ عالمگیری میں واقعات سال جلوس چہارم ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۱ء میں اس کے متعلق چند الفاظ لکھے ہوئے ملے ہیں۔ وہی درج کر دیئے جاتے ہیں۔

راجہ روپ سنگھ کی بیٹی تھی۔ شاہزادہ محمد معظم سے جو عالمگیر کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ ۱۰۷۱ھ میں اس کی شادی ہوئی۔ پادشاہ نے اس شادی پر بہت بڑا جشن شادی مرتب کیا۔ کلاونتوں نے نو ہزار روپیہ پایا۔ ایک لاکھ روپیہ کا زیور دلھن کو دیا گیا۔ شاہزادہ جب سہرا باندھ کر تسلیمات بجا لایا۔ تو اس کو ایک لاکھ روپیہ نقد معہ فیل و اسپان با ساز و طلا مرصع عطا کیا۔ علاوہ ازیں شہزادے کو دو لاکھ روپے کے موتی و مرصع آلات بھی ملے۔ آتش بازی نے زمین کو گل فشاں اور آسمان کو ستاروں سے درخشاں کر دیا۔

پادشاہ نے راجہ روپ سنگھ کی بھی عزت افزائی کی۔ اول تو یہ رشتہ ہی اس کے لئے کچھ کم فخر کا باعث نہ تھا۔ اس پر اعزاز و مناصب اور انعام و اکرام کے اضافے جو شادی کے بعد وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اس کو ہم چشموں میں اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ یہی رانی آخر ملکۂ ہند اور بادشاہ بیگم کہلائی۔

بائی بھوت دئی

تذکرہ مخدرات تیموریہ میں اس کو راجہ کشتوار کی بیٹی لکھا ہے۔ اور اسے مہذب تعلیم یافتہ خلیق۔ فیاض۔ اور شجاع عورت بتایا گیا ہے بھوت دئی ایک ہندو گھر میں پیدا ہوئی۔ اور ہندو ہی خاندان میں اس نے نشو ونما پائی لیکن قسمت نے اسے تیموری خاندان سے وابستہ کر رکھا تھا۔ اس لئے جوان ہوتے ہی وہ شاہی خاندان کے ساتھ منسلک کر دی گئی۔ اس کی شادی کس سنہ میں ہوئی۔ اور وہ کس طرح تیموری خاندان میں آئی۔ کیا اس کے باپ نے بطریق ہدیہ عالمگیری دربار میں اسے بھیجا۔ یا کسی معرکہ میں زندہ گرفتار ہو کے آئی۔ اس کے متعلق کچھ تحقیق معلوم نہیں ہوسکا لیکن ایک زمانہ کے بعد ہم اسے عالمگیر کے سب سے بڑے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کے محل میں پاتے ہیں شہزادہ محمد سلطان زیب النسا بیگم سے ایک سال چھوٹا تھا۔ اور ۱۰۴۹ھ مطابق ۱۶۳۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ نواب بائی اس کی ماں کا نام تھا۔ عربی فارسی ترکی میں بہرہ کافی رکھتا تھا۔ کلام مجید کا بھی حافظ تھا۔ ۳۹ سال کی عمر تھی۔ کہ ۱۰۸۷ھ مطابق ۱۶۷۶ء موافق سنہ ۲۱ جلوس عالمگیری میں انتقال کر گیا۔

جب بائی بھوت دئی شہزادہ محمد سلطان کے نکاح میں آئی۔ تو چند روز ہی میں، جانبین میں وہ کشش و محبت پیدا ہوئی۔ کہ ایک کو ایک کی جدائی نہایت شاق و ناگوار تھی۔

افسوس ہے مورخوں نے اس نیک فطرت اور نیک سیرت

خاتون کے حالات جس کے روزافزوں حسن اور ترقی پذیر علم و ادب کا چرچا اس عہد میں گھر گھر پھیلا ہوا تھا۔ بہ تجسس و تحقیق لکھنے میں بڑی فروگذاشت سے کام لیا ہے۔

فرخ سیر کی جودھپوری رانی

اورنگ زیب کے مہمات دکن میں مصروف رہنے کی وجہ سے جے پور اودے پور اور جودھپور کے سب راجا اور رانا درگا داس کے بہکانے سے سلطنت سے برگشتہ ہو رہے تھے۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد وہ علانیہ کھُل کھیلے۔ گاؤکشی کی ممانعت کر دی اذان و نماز مسلمانوں کے لئے بند کر دی گئیں۔ اورنگ زیب کے عہد میں جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں۔ ان کو مسمار کر کے وہاں بُت خانے بنائے گئے۔ یہ سب خبریں اورنگ زیب کے جانشین شاہ عالم بہادر شاہ اول کو پہنچ رہی تھیں۔ اس نے اس خیال سے کچھ نوٹس نہ لیا کہ راجہ اجیت سنگھ خلف راجہ جسونت سنگھ (جودھپور) آخر تخت نشینی کے موقع پر آئے گا۔ تو اس کو کہہ سن لیا جائیگا۔ لیکن جب اجیت سنگھ اپنی جمعیت کے گھمنڈ پر نہ شاہ عالم کی اُن لڑائیوں میں شامل ہوا۔ جو اس نے تخت ہند کیلئے اپنے بھائیوں سے کی تھیں۔ اور نہ اُسے تخت نشینی کی مبارک باد دینے آیا۔ تو بادشاہ خود ۷ رشعبان ۱۱۱۹ھ کو راجپوتوں کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا۔ یہ زمانہ ہر چند "زوال مغلیہ کا ابتدائی دور" کہلاتا ہے لیکن اس حال میں بھی جے پور۔ اودے پور اور جودھپور کے سب راجا مل کر بادشاہ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے

جان کی امان مانگی ۔ اور بادشاہ کے پاس عرضداشت بھیجی کہ ہم مساجد نئے سرے سے تعمیر بلکہ آباد کرانے کو تیار ہیں۔ مسلمان نمازیں پڑھیں اذانیں دیں ۔ گائیں ذبح کریں یہاں تک کہ جزیہ کے احکام بھی جاری کریں ۔ ہم خود ان کاموں میں ممد ہوں گے ۔ اور ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا ۔ چنانچہ بڑے بڑے وسیلے ڈال کر اجیت سنگھ ۔ جے سنگھ اور درگا داس بادشاہ کی خدمت میں[1] حاضر ہوئے ۔ انہوں نے گذشتہ تقصیرات کی معافی چاہی بادشاہ نے خلعت وفیل وشمشیر عنایت کرکے ان کے ممالک انہی کو بخش دیئے ۔

اوائل ربیع الاول ۱۱۲۳ھ میں جہاندار شاہ کے بعد فرخ سیر[2] بادشاہ ہوا ۔ اس زمانہ میں مرہٹے ۔ سکھ ۔ راجپوت سب مغلوں کے خلاف تھے ۔ اور ان کو زیادہ تر تقویت مغل بادشاہوں کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے پہنچ رہی تھی ۔ بہادر شاہ کے حالات میں آپ پڑھ چکے ہیں ۔ کہ اجیت سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے کس ذلت وخواری کے بعد مسلمانوں کے تمام مذہبی مطالبات قبول کرکے اپنی جان اور سلطنت بچائی تھی ۔ مگر چونکہ دل سیاہ تھے ۔ اس لئے بہادر شاہ کے قیام لاہور کے ایام میں پھر مسلمانوں کو تکلیف دینے لگے ۔ فرخ سیر نے بادشاہ ہو کر اپنے جلوس کے دوسرے سال ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء میں امیر الامراء حسین علی خان

---

[1] چونکہ ماہ رمضان آگیا تھا ۔ اس لئے بادشاہ اجمیر اور چتوڑ کے درمیان کھلے میدان میں مقیم ہو گیا تھا ۔ اور خود خیمہ میں رہتا تھا ۔

[2] فرخ سیر شہزادہ عظیم الشان کی کشمیری بیگم کے بطن سے ۳ رجب ۱۰۹۵ھ کو پیدا ہوا ۔ یہ شاہ عالم بہادر شاہ کا پوتا تھا ۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۲۷ سال کی تھی ۔

کو اجیت سنگھ کی تادیب کے لئے بھیجا - مہاراجہ کو جب افواج بادشاہی کے آنے کا علم ہوا - تو پھر اپنی مشہور بدباطنی و سیاہ دلی کے سہارے اپنے وکلار کو تحائف بیش قرار اور عفو جرائم کی عرضداشت دیکر امیرالامرا کے پاس بھیجا - امیرالامرا نے اس شرط پر اس کی تقصیرات معاف کرا دینے کا وعدہ کیا - کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی بادشاہ کے ساتھ کرے نذرانہ اور تاوان معقول رقم میں دے - اور اپنے بیٹے کو بادشاہ کے حضور میں بھیجے - مہاراجہ نے یہ سب کچھ منظور کر لیا[1] - چنانچہ امیرالامرا شائستہ خان کو مہاراجہ کی لڑکی لانے کے لئے جودھپور ہی میں چھوڑ آیا - اور آپ اس کے بیٹے کو ہمراہ لے کر دہلی چلا آیا -

بابا بندہ بیراگی کی بغاوتوں اور سلطنت کے اندرونی خدشات کو مٹانے میں بادشاہ اتنا مصروف ہوا کہ راجپوتانہ کی طرف پھر توجہ نہ کر سکا - جب بادشاہ میں اور سادات بارہہ میں کسی حد تک صفائی ہو گئی - تو جلوس کے سال پنجم سنہ ۱۱۲۷ھ مطابق ۱۷۱۵ء میں فرخ سیر نے اجیت کی بیٹی سے شادی کے سامان تیار کرانے کے احکام صادر کئے - مہاراجہ اجیت سنگھ کی بیٹی جو نہایت حسین تھی - اور فن سپہ گری میں بھی راجہ کمال رکھتی تھی - دہلی پہنچ چکی تھی - امیرالامرا نے مہاراجہ کی لڑکی کو اپنے محلات میں رکھا - اور شادی کی تیاریاں شروع کیں - جس دھوم دھام سے یہ بیاہ ہوا - نہ پہلے کسی نے دیکھا نہ کسی نے سنا دوم ذی الحجہ سنہ ۱۱۲۷ھ کو محفل نکاح[2]

---

[1] زوال تیموریہ صفحہ ۱۱۲ مصنفہ مولوی ذکاء اللہ مرحوم

[2] زوال تیموریہ واقعات فرخ سیر جلوس پنجم صفحہ ۱۲۷

منعقد ہوئی - امیر الامراء کے گھر میں خود بادشاہ بیاہنے آیا - چونکہ رانی مسلمان ہو چکی تھی - اس لئے عقد شرع اسلامی کے مطابق عمل میں آیا - بادشاہ نہایت شان و شوکت اور شاہانہ جلوس کے ساتھ رانی کو بیاہ کر حرم سرا میں لے آیا - اور راجیت سنگھ (اس کے باپ) کو مہاراجہ کا خطاب عطا کیا - زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ وہی راجہ اجیت سنگھ جو کسی وقت غلام کے لباس میں جان بچا کر دہلی سے بھاگ گیا تھا - اپنی ریاست میں چوروں کی طرح داخل ہوا تھا - اقتدار پا کر مسلمانوں کو نماز و اذان تک کی اجازت بھی نہ دیتا تھا - اور مسجدیں شہید کرا کر ان کی جگہ مندر اور شوالے تعمیر کراتا تھا - اب اپنی بیٹی اپنے جگر کا ٹکڑا حصول دولت و بقائے ریاست کے لئے بادشاہ کو دیتا ہے -

"زوال تیموریہ"[1] میں انگریزی تاریخوں کے حوالہ سے بھی اس شادی کا کچھ ذکر درج ہے - لکھا ہے جب بادشاہ نے یہ شادی کی ہے تو وہ بیمار تھا - اس لئے اس شادی کا کچھ حظ نہیں اٹھا سکتا تھا - اتفاق سے انہی ایام میں ۸ر جولائی ۱۷۱۵ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے پریذیڈنٹ کلکتہ نے کمپنی کی طرف سے بادشاہ کو انگلستان کے اور ہندوستان کے بہت سے تحفے تحائف بھیجے - اس پارٹی میں ایک ڈاکٹر گبرائیل ہملٹن بھی تھا - بادشاہ نے دیسی طبیبوں کے علاج سے مایوس ہو کر اس انگریز ڈاکٹر کا علاج شروع کیا - چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد بادشاہ کو شفا ہو گئی - بادشاہ نے بہت کچھ انعام و اکرام دینا چاہا

---

[1] صفحہ ۱۲۷!

لیکن اس فیاض وریا دل ڈاکٹر نے ذاتی نفع کا خیال ترک کر کے وہ چیز مانگی - جو اس کی قوم اور اس کی ہم مذہب سلطنت و حکومت کی تقویت و ترقی کا باعث ہوئی -

اس شادی کو ابھی تین ہی سال گذرے تھے - کہ ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء میں سادات بارہ (امیر الامرا حسین علی خان و قطب الملک سید عبد اللہ خان) راجگان و اُمرا کو اپنے ساتھ ملا کر بادشاہ کے عزل کی تدبیریں سوچنے لگے - راجہ اجیت سنگھ جو بادشاہ کا خُسر تھا - وہ بھی سادات بارہ کا محرم و ہمراز بنا - بادشاہ سب کی آنکھیں بدلی ہوئی دیکھ رہا تھا - وہ محلات کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا - سید عبد اللہ خان اور مہاراجہ اجیت سنگھ نے افسانہ و افسوں کے پیغامات بھی بھیجے - اجیت سنگھ نے جو پرلے درجہ کا سیاہ باطن اور در پردہ مسلمانوں کا سخت دشمن تھا - اپنی قرابت بھی جتائی اور کہا - کہ میں حضور کا کبھی بال بیکا نہ ہونے دونگا - لیکن بادشاہ محل سے باہر نہ نکلا - حبشی اور ترکی کنیزیں جنگ کے لئے آمادہ ہوئیں لیکن سادات بارہ رہیلوں اور راجپوتوں کی جمعیت لے کر محل میں گھس گئے - کنیزوں خواصوں یہاں تک کہ بیگمات اور رانیوں کو مارا پیٹا - اور بادشاہ کا پتہ پوچھا - وہ ایک گوشہ میں چھپا بیٹھا تھا جس وقت یہ ظالم فرخ سیر کو بڑی بے حرمتی سے کھینچ کر باہر لائے - تو اس کی ماں اور بیٹیوں اور بیگمات نے جن میں جودھپوری رانی بھی تھی - بادشاہ کے گرد گھیرا ڈال لیا - اور رونا پیٹنا شروع کیا - گرفتار کرنے والوں کے پاؤں پر اپنے سر رکھے - ہاتھ جوڑے - خدا کے واسطے دیئے - مگر ایسے وقت میں کون ایسی باتیں سنتا ہے - فرخ سیر کی آنکھوں

میں سلائی پھیر کر اُسے اندھا کیا۔ اور سات برس کے ایک قیدی شہزادہ رفیع الدرجات[1] کو تخت پر بٹھایا۔

راجہ اجیت سنگھ نے پہلے ہی دن جزیہ معاف کرایا سادات نے تمام ہوا خواہاں فرخ سیر کی جاگیریں ضبط کیں۔ اور ان کو بے عزت و خوار کیا بیگمات میں سب سے زیادہ نظر عنایت جودھپوری رانی پر رہی۔ یعنی راجہ اجیت سنگھ کی خاطر سے اس کی جاگیر بحال رکھی گئی۔

راجہ اجیت سنگھ جو سادات بارہ کی بدولت نقد و جواہر سے مالا مال ہو گیا تھا۔ اس سانحہ کے بعد کئی دنوں تک دہلی میں رہا۔ ایک دن وہ بازار میں جاہ و جلال کے ساتھ جا رہا تھا۔ کہ دونوں طرف سے اس پر آوازے کسے گئے۔ اور لوگوں نے بہ آواز بلند کہا۔ کہ "داماد کا خون بہا کر(ان دنوں فرخ سیر کو سادات نے اور اجیت سنگھ نے قید خانہ ہی میں مروا ڈالا تھا) اور اپنا منہ کالا کر کے اب دہلی سے اپنے ملک کو جائے گا"۔ راجہ نے چند آدمیوں کو تو جان سے مار ڈالا۔ اور کئی ایک کو سادات کے حکم سے گدھوں پر سوار کرا کے شہر میں پھرایا۔

---

[1] شاہ عالم بہادر شاہ کا پوتا تھا بیس[۲] سال کی عمر تھی۔ قید خانہ میں پڑا ہوا تھا اور دوسرے شہزادوں کے ساتھ لڑکیوں کی طرح پرورش پا رہا تھا۔ بجم ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء کو تخت پر بٹھایا مدقوق تھا۔ اور چونکہ شورش عام تھی۔ اس لئے جس حال میں قید خانہ سے نکالا گیا۔ اُسی حال میں غسل کئے اور بغیر کپڑے بدلوائے تخت پر بٹھا دیا گیا۔

رانی پرتھال

یہ ہندو قوم کے ایک معمولی زرگر کی بیٹی تھی۔ علاقہ مُدگل مقبوضہ دولتِ بہمینہ کا ایک قریہ اس کا مولد و مسکن تھا۔ اس کی پیدائش و پرورش پرداخت جس معمولی خاندان میں ہوئی۔ اسے دیکھ کر کس کو خیال آیا ہوگا۔ کہ پرتھال ایک زمانے میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کی بہو بننے کی عزت سے ممتاز ہوگی ؟

پرتھال کی معمولی حالتِ زندگی میں ان باتوں کے سوا اور کوئی بات قابلِ ذکر نہیں۔ کہ وہ بیحد حسین تھی۔ معزز مسلم خواتین کی طرح نامحرم سے پردہ کرتی تھی۔ شادی کرنے پر رضامند نہ ہوتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہی معمولی باتیں پرتھال کی حیاتِ تاریخی کی تمہید ہیں +

دولتِ بیجانگر بہمنی سلطنت کی ہمسایہ تھی۔ دریائے تنگ بھدرا دونوں حکومتوں کو جُدا کرتا تھا۔ دریا کا شمالی ساحل بادشاہ کا مقبوضہ تھا۔ اور جنوبی ساحل راجہ کا +

اسی بیجانگر کا ایک فاضل برہمن فریضہ مذہبی کی ادائیگی کی غرض سے کاشی (بنارس) گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر واپس ہوا۔ تو ایک شب اسے پرتھال کے ہاں قیام کا اتفاق ہوا۔ ہندو قوم کو برہمنوں سے جو عقیدت ہوتی ہے محتاج بیان نہیں۔ اسی پر قیاس کر لیجیے۔ کہ پرتھال کے گھر والوں نے برہمن مذکور کی کس قدر آؤ بھگت کی ہوگی ؟

عقیدتمند ستاروں نے برہمن سے دعا کی التجا بھی کی۔ بالخصوص پرتھال کے باپ نے کہ پرتھال اس کے حق میں وبالِ جان بنی ہوئی تھی۔ برہمن

نے پوچھا۔ تمہاری بیٹی کہاں ہے؟ اس نے کہا مہاراج! کیا عرض کروں۔ اس کی تو عجیب حالت ہے مسلمان عورتوں کی طرح پردہ کرتی ہے کسی کو اپنی صورت نہیں دکھاتی ہیں نے برادری میں اس کی نسبت ٹھہرائی تھی۔ لیکن اس کو شادی سے قطعی انکار ہے۔ آپ دعا کیجئے۔ کہ وہ شادی پر تو رضامند ہو جائے۔

ان حالات نے برہمن کو پرتھال کی دید کا مشتاق بنا دیا۔ قریب جا کر کہنے لگا۔ کہ بیٹی تو مجھ سے پردہ نہ کر۔ اپنے باپ کی طرح سمجھ۔ میں بھی تجھے بیٹی کے برابر سمجھونگا۔ سامنے آ اور اپنی صورت زیبا سے میری آنکھیں روشن کر۔ برہمن کی پاکبازانہ باتیں سُنکر پرتھال پردہ سے باہر نکلی۔ اور برہمن کے پاس بیٹھ گئی۔

برہمن فن موسیقی کا اُستاد کامل تھا۔ اسی جادو کے زور سے اس نے پرتھال کو مانوس کیا۔ اور جب دیکھا کہ پرتھال بھی موسیقی کی طرف میلان رکھتی ہے۔ تو چند مہینے مقیم ہو کر اسے بھی اس غذائے روحانی سے بہرہ اندوز کر دیا۔

پرتھال کی صورت۔ سیرت۔ ناز۔ ادا۔ گانا۔ آواز۔ یہ سب باتیں برہمن کے دل میں کچھ اس طرح کھُب گئی تھیں۔ کہ وطن گیا۔ تو جس مجلس یا جس صحبت میں بیٹھتا۔ پرتھال کی خوبیاں۔ پرتھال کے اوصاف بیان کرتا رفتہ رفتہ پرتھال کا تذکرہ دیو رائے (والئی بیجانگر) کے کانوں تک پہنچا جس نے دیو رائے کو پرتھال کا نادیدہ عاشق بنا دیا۔ بڑے اشتیاق سے برہمن کو دربار میں طلب کیا۔ اور پرتھال کے حالات پوچھنے لگا۔ برہمن نے جو باتوں میں پرتھال کا نقشہ کھینچ دیا۔ تو دیو رائے کا شعلہ عشق اور

بھی بھڑک اٹھا - اسی وقت بہت کچھ زر و نقد اور ایک مرصع کار طلائی گلو بند برہمن کو دیکر کہا - کہ مُدگل جاؤ - جو کچھ ضرورت ہو خرچ کرو اور جس طرح بنے پربھال کے ماں باپ کو سمجھا بجھا کر مجھ سے پربھال کی شادی پر رضا مند کرو - اور قیام نسبت کے طور پر یہ گلو بند پربھال کو پہنا دینا -

برہمن بڑے شوق سے بیجا نگر سے مُدگل روانہ ہؤا - پربھال کے گھر پہنچا - اس کے باپ کو دیو رائے کا پیغام دیا - پربھال کا باپ بڑا خوش ہؤا - درحقیقت ایک معمولی زرگر کو اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کیا موقع مل سکتا تھا - کہ ایک حکمران اس کی بیٹی کی خواہش کرتا ہے -

سنار خوش خوش پربھال کے پاس گیا - اور شادی کا مژدہ سنایا - لیکن پربھال نے یہ کہہ کر اپنے باپ کی ساری مسرتوں پر پانی پھیر دیا - کہ " آپ کو بیجانگر کے رنواس کا حال معلوم نہیں ؟ اس میں ہزاروں عورتیں بھری ہیں - اور جو اس میں گئی مر کر نکلی - اِس راجہ کی رانیاں لونڈیوں سے بدتر ہیں - نہ والدین کو مل سکتی ہیں نہ دوسرے عزیز و قریب کی صورت دیکھ سکتی ہیں - میں ایسی قید دوام کا تحمل نہیں کر سکتی - چاہے آپ کو میری محبت نہ ہو - اور میری طرف سے آپ کا لہو سفید ہو گیا ہو - مگر میں آپ کو کیونکر چھوڑ سکتی ہوں " -

ہر چند ماں باپ دونوں نے افہام تفہیم کی - مگر سب بیکار - برہمن خود اُس کے پاس گیا - اور بہت کچھ سمجھایا - حتیٰ کہ اس کے گلے میں راجہ کا گلوبند ڈال دینا چاہا - لیکن پربھال نے صاف کہہ دیا - کہ " مہاراج ! مجھے آپ کا

ادب باپ سے زیادہ مدنظر ہے۔ لیکن اس معاملہ میں آپ اصرار نہ کریں
اس میں ایک راز ہے جس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ اور نہ کسی مشورہ
پر مجھ سے عمل ممکن ہے"
راز کا لفظ سُنکر برہمن اس کے اظہار پر مُصر ہوا۔ اور کہنے لگا
وہ راز کیا ہے ؟ مجھ سے پوست کندہ کہدو۔ اگر واقعی شادی خلافِ
مصلحت ہوگی۔ تو میں خود تم کو یہ صلاح نہ دونگا۔
برہمن کے اصرار بجد پر پرنھال نے بطریق ذیل عجیب و غریب انکشاف
کیا "سُنیئے! مدت ہوئی۔ کہ مجھے ایک مہاتما نے یہ خوشخبری دی۔ کہ تو
مسلمان ہو کر ملکہ بنے گی۔ اور اپنے ہی ملک میں باعزاز و اکرام عیش و عشرت
کی زندگی بسر کرے گی۔ میں نہیں سمجھتی یہ کیا معاملہ ہے۔ اور کیا بات ہے
بہرحال مَیں بیجانگر کے محل میں اپنے کو ہمیشہ کے لئے محبوس نہیں کر
سکتی"
جب کوئی تدبیر کارآمد ثابت نہ ہوئی۔ تو برہمن نے بیجانگر کے مندروں
کے درشنوں کا شوق دلانا شروع کیا لیکن پرنھال نے اس کو بھی نامنظور
کرکے برہمن کو قطعاً مایوس کر دیا۔
برہمن نے ناکام و نامراد راجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام
ماجرا بیان کیا۔ قاعدے کی بات ہے۔ کہ جب دل کسی چیز کا مشتاق
ہوتا ہے اور وہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ تو تقاضائے شوق اور بھی بڑھ
جاتا ہے۔ یہی حال دیو رائے کا ہوا۔ اس کا شوق اس حد تک
ترقی کر گیا۔ کہ اس کے آگے فہم و فراست یکسر مغلوب ہو گئے۔ خوف
حال رہا نہ اندیشۂ انجام۔ جتنی فوجیں دارالحکومت میں موجود تھیں سب

کو ہمراہ لیا۔ اور بحیلۂ شکار تنگ بھدرا کی جانب روانہ ہو گیا۔ ساحل دریا تک برابر بڑھتا چلا گیا۔ اور جب پانی نے راستہ روک لیا۔ تو وہیں خیمہ زن ہو گیا۔ لیکن پانچ ہزار سواروں کو اپنے رفیقوں اور مشیروں کی مخالفت کے باوجود دریا پار اتار دیا۔ اور حکم دیا۔ کہ بے باکانہ بڑھے جائیں۔ یہاں تک کہ علاقہ مُدگل میں پرتھال کے موضع پر حملہ کر کے اسے اپنے قابو میں کر لیں۔ اور اُسے فوراً میرے پاس لئے چلے آئیں۔ فوج وفادار تھی۔ حکم پاتے ہی تعمیل کے لئے چل کھڑی ہوئی لیکن اہل موضع اُڑتی ہوئی خبر پہلے ہی پا گئے تھے۔ کہ بیجانگری سپاہ تاخت کرنے آ رہی ہے۔ اس لئے وہ گاؤں چھوڑ کر دوسرے محفوظ مقام پر چلے گئے تھے۔

دیو رائے کی فوج نے بڑی عجلت کے ساتھ گاؤں پر حملہ کر کے پرتھال کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اور پرتھال کی تلاش شروع کی۔ لیکن وہ سونے کی چڑیا تو پہلے ہی پرواز کر چکی تھی۔ آشیانے میں کیا رکھا تھا جو صیاد کے ہاتھ آتا؟

بیجانگری فوج ناکامی کا داغ لئے ہوئے واپس ہوئی لیکن اس طرح کہ راستے کے بیگناہ باشندوں کو قتل و غارت کرتی ہوئی۔ اِس قزاقی کی خبر فولاد خان کو ہوئی۔ جو مُدگل میں سلطان کی طرف سے حاکم تھا۔ فولاد خان نے قرب و جوار کی شاہی فوج کو مہیا کر کے بیجانگری قزاقوں پر حملہ کر دیا۔ لیکن ان کو کیا پڑی تھی۔ کہ کھڑے ہو کر شاہی فوج کا مقابلہ کرتے ہ بھاگ اٹھائے بھاگے چلے گئے لیکن فولاد خاں نے بھی تعاقب نہ چھوڑا۔ تنگ بھدرا کے کنارے پہنچکر رابعہ کے لشکر نے

شاہی سپاہ کے سامنے منہ کیا۔ اور ایسی جرأت سے لڑا۔ کہ فولاد خاں کو مار بھگایا۔ لیکن فولاد خاں پھر آ کر معرکہ آرا ہوا۔ اس دفعہ اس نے راجہ کے بہت سے سپاہیوں کو تیغ کے گھاٹ اُتارا۔ اور جو بچے کھچے دریائے تنگ بھدرا میں کود کود کر بھاگے۔

سلطان فیروز شاہ کو دیورائے کی چیرہ دستی کی خبر ہوئی۔ تو اس کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اُسی وقت اعلان جنگ کر کے ایک جرار فوج کے ساتھ تنگ بھدرا کو عبور کر گیا۔ راجہ چونکہ سلطان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ ایک دم بھاگ کر بیجا نگر میں قلعہ بند ہو گیا۔ فیروز شاہ بھی برابر بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دارالحکومت بیجا نگر کا محاصرہ کر لیا۔

سلطان کچھ ایسے جوش میں بھرا ہوا تھا۔ کہ حملہ کر کے شہر میں داخل ہو گیا۔ لیکن اس وقت راجہ کی فوج نے بھی ایسی بہادری سے جنگ کی۔ کہ بادشاہ کو شہر سے باہر نکل آنا پڑا۔ اب راجہ کی ہمت اور بڑھی۔ اس نے باہر نکل کر لڑنا شروع کیا۔ فصیل سے اس کی فوج شاہی لشکر پر تیر اور پتھر برسا رہی تھی۔ پتھر کی قدرتی چٹانیں ہر طرف سے شہر کی حفاظت کر رہی تھیں۔ اس لئے سلطان دوسری سمت سے بھی حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ آخر کار سلطان کو ہٹ کر میدان میں آنا پڑا۔

اب نہ راجہ کی ہمت پڑتی تھی۔ کہ بالکل کھلے میدان میں شاہی فوج کا مقابلہ کرے۔ نہ سلطانی مصلحت قریب سے جنگ کی اجازت دیتی تھی۔ اس حالت میں سلطان کو یہ چال سوجھی۔ کہ امیرالامرا احمد خان خانخاناں کو دس ہزار فوج دیکر حکومت بیجانگر کے جنوبی علاقے کی تاخت

پرروا نہ کیا۔ اور امیر فضل اللہ کو برار کی فوج دیکر قلعہ بنکاپور کے محاصرے کو بھیجا۔ حسنِ اتفاق کہ دونوں افسر کامیاب ہوئے۔ اور فتح کا جھنڈا اُڑاتے ہوئے بارگاہِ سلطانی میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے امیر الامرا احمد خان کو تو دیو رائے کے مقابلہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اور خود امیر فضل اللہ کو لے کر قلعہ آدونی کا قصد کیا۔ قلعہ ادونی گو دارالحکومت نہ تھا۔ لیکن اس کی اہمیت دارالحکومت سے کچھ کم نہ تھی۔ راجہ کو شاہی ارادے کی خبر ہوئی۔ تو بیحد پریشان ہوا۔ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" دارالحکومت کی حفاظت کرتا ہے۔ تو ادونی جاتا ہے۔ ادونی بچتا ہے تو دارالحکومت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اب بجز درخواست صلح کے دیو رائے کے لئے دوسری راہ نہ تھی۔ ناچار راجہ نے اپنے سفرا شاہی دربار میں بھیجے۔ جہاں اُنہوں نے صلح کی درخواست پیش کی۔

بادشاہ نے دیگر شرائط صلح کے ساتھ یہ شرط بھی رکھی۔ کہ راجہ اپنی بیٹی سے بادشاہ کا بیاہ کرے۔ یہ شرط اگرچہ ناقابل قبول تھی لیکن راجہ کو قبول ہی کرتے بنی۔ الغرض صلح ہو گئی۔ اور راجہ کی بیٹی سے بڑی شان و شوکت کے ساتھ بادشاہ کی شادی ہوئی۔

ان مہمات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلطان نے عالم آشوب پرتھال کی طرف عنانِ توجہ پھیری۔ اپنے ایک افسر کو تھوڑی سی فوج دیکر مدگل بھیجا۔ اور پرتھال نہایت عزت و حرمت کے ساتھ مع اپنے ماں باپ کے حاضر کی گئی۔

بادشاہ نے پرتھال کا حسن و جمال اور قد و قامت اور عنفوانِ

شہاب دیکھ کر کہا - کہ یہ شہزادہ حسن خان کے لئے موزوں ہے نہ کہ میرے لئے - اس کی شادی حسن خان سے ہونی چاہئے -
اس تجویز کے مطابق عمل پیرا ہونے کے لئے اُس نے پرتھال کو اپنی چچی کے حوالے کیا - اور شادی کی ایک تاریخ مقرر کر کے بڑی شان و شوکت کے ساتھ حسن خان کی برات نکالی - بادشاہ کی چچی کے گھر برات گئی - اور وہیں پرتھال کے عقد کی مبارک رسم ادا ہوئی - اب مدگل کے سنار کی ایک معمولی لڑکی سلطان فیروز شاہ کی چاہتی بہو ہے - اور اُس بشارت کا ظہور دیکھ رہی ہے - جس کو خود اسی نے ایک دفعہ برہمن سے بیان کیا تھا -

پرتھال کے حسن کی کشش نے حسن خان پر وہی اثر کیا - جو کہربا کا "کاہ" پر ہوتا ہے - کہ سب سے چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے پرتھال سے شادی کرنے کے بعد حسن خان کو بجز پرتھال کے دنیا کے کسی امر سے واسطہ نہ رہا - یہاں تک کہ سلطنت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا -

امیر الامرا احمد خان خانخاناں بادشاہ کا بھائی تھا - اس نے خود سری اختیار کر لی - اور چاہا کہ ولیعہد حسن خان کی جگہ خود آئندہ مالکِ تاج و تخت ہو - بادشاہ نے بیٹے کی محبت میں بھائی سے جنگ سے بھی دریغ نہ کیا لیکن سلطنت خانخاناں کی تقدیر میں تھی - عین حالت جنگ میں بادشاہ کو بہ سبب بیماری و نقاہت کے غش آیا - شور ہو گیا - بادشاہ مر گیا - پھر کیا تھا - فوج شاہی و افسران سپاہ خانخاناں سے جا ملے - بادشاہ کا آخر وقت تھا - کہ خانخاناں

فاتحانہ سرہانے آکر کھڑا ہوا۔ بادشاہ خانخاناں کو دیکھ کر رو پڑا۔ کہا۔ محبت پدری سے مجبور تھا۔ جو کچھ ہوا۔ اسی کا نتیجہ تھا۔ لیکن حسن خان کی قسمت میں سلطنت نہ تھی۔ خدا نے تم کو کامیاب کیا۔ اب وہ اور سلطنت سب تمہارے سپرد ہے۔ یہ ۱۵ شوال ۸۲۵ھ کا واقعہ ہے۔ جس روز فیروز شاہ کے عہدِ حکومت کا خاتمہ ہوا۔ سنہ آغاز حکومت ۸۰۰ ہجری ہے۔ خانخاناں بلقب احمد شاہ بہمنی اورنگ نشین ہوا۔

احمد شاہ کو سب سے پہلے حسن خان کی نسبت غور کرنا اور غور کر کے مناسب فیصلہ کرنا تھا۔ اس کام میں اس نے اپنے مشیروں اور رفیقوں سے مشورہ طلب کیا۔ تو بعض نے صلاح دی۔ کہ شہزادے کو قتل کر ڈالنا چاہیے بعض نے رائے دی۔ کہ اس کی آنکھیں نکلوائی جائیں لیکن احمد شاہ نے صلہ رحمی سے کام لیا۔ اور برادر زادے کو بجائے قتل یا بے بصر کرنے کے پانصدی کے منصب سے سرفراز کیا۔ اور تنگ بھدرا کے کنارے کی جاگیر جس میں قلعہ فیروز آباد واقع تھا۔ عطا کیا۔ اور کہہ دیا۔ کہ تم اپنے علاقہ میں عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ گردا گرد دو فرسخ تک جب جی چاہے۔ سیر و شکار کا لطف اٹھاؤ۔ اس کے علاوہ کہیں جانا چاہو گے۔ تو مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت ہو گی۔

حسن خان کو اس سے زیادہ اور کیا مطلوب تھا۔ کہ بغیر کسی قسم کے تردد و فکر کے پرتھال کی صحبت سے لطف اندوز ہونیکا موقع مل گیا۔ پرتھال کو ہمراہ لیکر اپنے علاقے میں چلا گیا۔ یہی واقعہ پرتھال کی تاریخ حیات کا آخری جملہ ہے ؏

ابتدا وہ تھی انتہا یہ ہے!

رانی کیماڑنی جی

بہادر خان فرمانروائے پالن پور کی ہندو رانیوں میں صرف یہی ایک رانی تھی۔ جو مسلمان ہو گئی تھی۔ باقی سب رانیاں گو بہادر خان کے حبالۂ نکاح میں مخصوص لیکن اُن کے حرم سرا کے داخلہ نے ان کے مذہب پر کوئی اثر نہ کیا تھا۔ اور نہ بہادر خان نے خود بھی کبھی اس طرف توجہ کی۔ کیماڑنی جی نے بھی خود بخود مشرف بہ اسلام ہونے کی درخواست کی جیسا کہ سطور آئندہ سے معلوم ہوگا۔ اس کا اصل نام کشل با تھا۔ ٹھاکر رکھے راج کیماڑ یہ کولی ملانہ کے نامور زمیندار کی راج دلاری تھی۔ ٹھاکر نے اپنی ہی قوم میں اس کا بیاہ کر دیا تھا لیکن عالم شباب میں ایک بیوہ ہو گئی۔ اور سسرال سے میکے میں آ کے رہنے لگی۔

ایک دن بقول مؤلف تاریخ پالن پور[1] اس کی بھاوج یا نند نے طعن سے کہا "بائی صاحبہ آپ تو بہادر خان کی بیگموں اور رانیوں کا سا دماغ رکھتی ہیں۔ یہ تمکنت تو کچھ اسی دربار کے لئے زیبا ہے ہم سے آپ کا مزاج کیونکر اٹھایا جائیگا" مشہور ہے۔

طعن کی بات بھی واقعہ میں بری ہوتی ہے۔
یہ کسی وقت بڑی تیز چھری ہوتی ہے

اور پھر اس کے لئے اگر بیوہ اور نوجوان بیوہ جس کا شباب پھٹا پڑتا ہو کا نازک دل منتخب کیا جارہے۔ تو واقعی طعن کی بات تبر و نشتر ہی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ کشل با نے طیش میں آ کر بہادر خان کی بیوی

[1] حصہ دوم صفحہ ۳۵

بننے ہی کا عزم کر لیا۔ اور اپنی ایک کرم راز میراثن کے ہاتھ بہادر خان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔

بہادر خان اس وقت موضع حسن پور میں تھا۔ جو پالن پور سے ۹ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ میراثن نے کشل با کے حسن و جوانی اور اس کی اپنی خواہش کا ذکر کیا۔ بہادر خان ان باتوں کے لئے بہانہ ہی ڈھونڈھتا تھا۔ چنانچہ میراثن کے ہمراہ رتھ اور چند سوار بھیجدیئے۔ کشل با آئی اور اس نے آتے ہی کہا جس مذہب میں معصوم بیواؤں کے ساتھ اس قسم کا سلوک ہو جیسا کہ میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ میں اس مذہب ہی کو سلام کرتی ہوں۔ چنانچہ اس کی خواہش پر بہادر خان نے خود اس کو مسلمان کیا۔ اور اسکے بعد باقاعدہ نکاح پڑھوا کر حرم سرا میں داخل کر لیا۔

ایک رات کا ذکر ہے۔ کہ بہادر خان اپنی اسی بیوی کے محل میں شب باش تھے۔ سردی کا موسم تھا۔ پاؤں سکیڑے ہوئے پلنگ پر لیٹے تھے۔ یہ دیکھ کر اس نوعمر۔ بھولی بھالی رانی کو مذاق کی شوخی اور ہنستے ہوئے کہا "حضور راجاؤں کے لئے تو پاؤں پھیلانا ہی مناسب ہے" بہادر خان کے معجون مرکب مزاج کا حال پڑھ چکے ہو۔ رانی باڑاجی کو خوش طبعی کا نتیجہ کیا ملا! اب رانی کیمباڑنی کا حال بھی سن لیجئے۔ آپ جواب میں فرماتے ہیں کیمباڑنی جی اس قدر کیوں گھبراتی ہو۔ راجاؤں کے پاؤں پھیلانے کا حال بھی معلوم ہو جائیگا۔

یہ نوجوان رانی بہادر خان کی تنگ مزاجی اور بدخلقی سے قطعی لاعلم تھی۔ یہ فقرہ سنتے ہی سن ہو گئی۔ ادھر بہادر خان نے صبح ہوتے ہی کیمباڑنی

جی کے والد ٹھاکر رکھے راج والئی ملانہ پر دھاوا بول دیا۔ رانی نے ہر چند منت سماجت کی لیکن بہادر خان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ملانہ کے ٹھاکر بیچارے بالکل بے خبر تھے۔ ٹھاکر رکھے راج اور اس کے بھائی بند اس آفت ناگہانی کی خبر سن کر ملانہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بہادر خان نے اس جاگیر کے ساٹھ گاؤں اپنے قبضہ میں کر لئے۔ یہ ساٹھ گاؤں آج تک ملانی ساٹھ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ واقعہ ۱۷۷۲ء مطابق ۱۱۸۶ھ کا ہے۔

رانی کشل با دیوڑی

دیوان شیر خان فرمانروائے پالن پور کی بیویاں تو بکثرت تھیں اور انہی بے اعتدالیوں کی وجہ سے اس نے عین عالم شباب دستائیسویں سال میں مختلف عوارض میں مبتلا ہو کر انتقال بھی کر دیا تھا۔ لیکن سوناجی ولد فتح سنگھ دیوڑہ راجپوت جاگیر دار (رہوده) کی شکیلہ و جمیلہ لڑکی کشل بانے اس کے دل و دماغ کو بالکل قبضہ میں کر رکھا تھا۔ یہ رانی بھی ہندوانی رسوم و رواج کی پابند رہی۔ شیر خان نے جو خود بھی ہندوانی کے بطن سے تھا۔ اس کے مذہب سے کبھی کوئی تعلق نہ رکھا۔ بلکہ قیاس غالب یہ ہے۔ کہ رانی کے پاس خاطر سے اس نے اس کی پوجا پاٹ کے لئے بھی مکمل انتظام کر رکھا ہوگا۔ اس رانی کے نام شیر خان نے جاگیر بھی مقرر کی ہوئی تھی۔

ڈوگری رانی

فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں کشمیر پر سلطان شہاب الدین حکمران تھا۔ شہاب الدین کاشمیری۔ شہاب الدین غوری سے کم پایہ کا بادشاہ نہ تھا۔ اس نے کشمیر میں ۷۶۱ھ / ۱۳۶۰ء سے ۷۸۰ھ / ۱۳۷۸ء تک جس شان و شکوہ۔ جاہ و جلال اور سطوت و شوکت سے حکومت کی ہے۔ اس کا کچھ حال اُن فتوحات اور ان کامیاب حملوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جن کو کشمیری مورخ ہی بیان نہیں کرتے۔ بلکہ تاریخ فرشتہ اور سیر المتاخرین کے مصنف اور بعض ہندو مورخ بھی تسلیم کر رہے ہیں۔ شہاب الدین نے پھکلی۔ سوات اور باجوڑ کی طرف رخ کیا ہے۔ تو پشاور و کابل تک روند ڈالا ہے۔ بدخشاں کا خیال آیا ہے۔ تو لغمان۔ غزنی۔ غور۔ قندھار۔ ہرات سے ہوتا ہوا خراسان تک جا پہنچا ہے۔ گلگت۔ دردستان۔ تبت کاشغر اور جموں و کشتواڑہ تو وہ علاقے تھے۔ جن کو فتح کرنے کے لیے اس کے نام کی ہیبت ہی کافی تھی۔

وہ ۷۷۳ھ میں ایک جرار لشکر لے کر پنجاب پر حملہ آور ہوا جو شاہان دہلی کی بدانتظامیوں اور باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے فتنہ و فساد کا مخزن بنا ہوا تھا۔ لاہور اور ملتان کے بعد جب اس نے دہلی کا رُخ کیا۔ تو دریائے ستلج کے کنارہ پر فیروز شاہ اور شہاب الدین کی فوجیں آمنے سامنے ہو گئیں۔ ابھی کچھ فیصلہ

نہیں ہوا تھا۔ کہ ۷۷۵ھ کے ایک عہدنامہ کے مطابق دونوں
میں اس بات پر صلح ہو گئی۔ کہ سرہند سے کشمیر تک تمام علاقہ
سلطان شہاب الدین کے پاس رہے۔ اور باقی ملک فیروز شاہ کے زیر
حکومت تصور کیا جائے۔

سلطان شہاب الدین کی بیگموں میں سلطان احمد خاں حاکم کابل
کی ایک بہن تھی۔ فیروز شاہ کی ایک لڑکی اس نے اپنے بیٹے حسن
خاں سے منسوب کی۔ اور ایک شادی اپنی اس نے سندھ کے حاکم
کی بیٹی سے کی۔

۷۶۱ھ میں جو کشمیر تھا۔ وہ آج سے بالکل مختلف تھا۔ اس لئے
بالکل ممکن ہے۔ کہ جن لوگوں کو تاریخ کشمیر کا علم نہ ہو۔ وہ ان باتوں
کو مبالغہ تصور کریں۔ لیکن کشمیری اور غیر کشمیری مورخوں کی تاریخیں
موجود ہیں۔ ان کو پڑھو۔ ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف
کی تصدیق پاؤ گے۔

اسی شہاب الدین کے بھائی قطب الدین کا پوتا علی شاہ کے
نام سے ۸۱۰ھ / ۱۴۱۷ء سے ۸۱۶ھ / ۱۴۲۳ء تک کشمیر میں حکومت کرتا رہا ہے
چھ سال چھ ماہ کی حکمرانی کے بعد اس نے بار سلطنت اپنے بھائی
شاہی خاں عرف زین العابدین، کے کندھوں پر ڈالا۔ اور
آپ زیارت حرمین الشریفین کے لئے روانہ ہو گیا۔

علی شاہ کی بیگم یعنی ڈوگری رانی جموں کے راجہ کی لڑکی تھی
اس لئے وہ کشمیر سے روانہ ہو کر سیدھا جموں آیا۔ اس زمانہ میں جموں
کا راجہ بل دیو یا اس کا بیٹا جمیر دیو تھا۔ رانی نے اپنے باپ سے

بادشاہ کو ترک سلطنت اور اس دور دراز کے سفر سے منع کرنے کو کہا ہوگا۔ راجہ کو خود بھی بیٹی کی جدائی ناگوار ہوگی۔ اور جو آرام اور فائدہ اُسے علی شاہ سے مل سکتا تھا۔ اس کی توقع اس کے قائمقام سے ناممکن تھی اس لئے اس نے علی شاہ کو ایسی عظیم الشان سلطنت ترک کر دینے کے نقصانات بتائے ہونگے۔ اور یہ بھی کہا ہوگا۔ کہ شاہی خاں کو آپ نے امانتاً حکومت دی ہے۔ اگر اس امانت کی آزمائش کر لی ہے۔ تو ابھی واپس چل کر اس سے اپنی حکومت مانگئے آپ کو اپنی غلطی کا خود ہی احساس ہو جائیگا۔

اس واقعہ کو کہ راجہ جموں سلطان علی شاہ کا خسر تھا۔ تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے۔ اور اس معاملہ میں سب سے زیادہ معتبر تاریخ فرشتہ ہے۔ جو جہانگیر کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ اور جس نے اس واقعہ کو صاف صاف اور کھلے الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ لیکن دو ہندو مورخ راجہ جموں کو سلطان کشمیر کا خسر ماننے سے انکار کرتے ہیں ایک صاحب "گلدستہ کشمیر"۔ وہ ان الفاظ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں "بہ ارادہ حج ترک سلطنت کر کے جب علی شاہ پنجاب تک آیا۔ تو وہاں کے حاکم نے جو اس کا خسر بھی تھا۔ اس کو ملامت کر کے واپس بھیجا" دوسرے صاحب "گلزار کشمیر" جو مہاراجہ رنبیر سنگھ والیٔ جموں کے وزیر اعظم تھے۔ علی شاہ کے ترک سلطنت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "چوں در نواحی جموں ورود نمود۔ بہ ترک جہانداری از ملامت گری راجہ آں جا ندامت افزود"

صاحب نظر سمجھ سکتے ہیں۔ کہ گلدستہ کشمیر کے مصنف نے

گلزار کشمیر کا مصنف زیادہ قابل اعتبار ہے۔ جو ریاست کا وزیر اعظم بھی ہے۔ دونوں نے البتہ حق کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ ایک نے لکھا ہے۔ کہ اس کا خسر حاکم پنجاب تھا۔ دوسرا جموں میں اس کا آنا تو تسلیم کرتا ہے۔ اور ترک جہانداری پر سلطان کے ساتھ راجہ کی ملامت گری بھی بیان کرتا ہے۔ لیکن مطلب کی بات چھپا جاتا ہے

آج سے دو سو سال پیشتر محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ (۱۱۴۸ھ) میں کشمیر کی ایک تاریخ "واقعات کشمیر" یا "تاریخ اعظمی" کے نام سے لکھی گئی ہے۔ اس میں بھی راجہ جموں کی لڑکی کو علی شاہ کی رانی بتایا گیا ہے۔ لیکن حق برزبان جاری ایک ہندو مصنف نے آخر صدق نویسی اور راست گوئی سے کام لیکر اس واقعہ کو تسلیم کر ہی لیا ہے وہ لکھتا ہے:۔ "سلطان علی شاہ مدت شش سال نو ماہ بر مسند حکومت قرار داشت بعد ازآں سلطان زین العابدین برادر خورد خود را جانشین ساختہ وخود بعزم زیارت حج ازیں جا روانہ شد چوں وارد چکلہ جموں گردید۔ راجہ آں جا بنا بریں کہ دخترش در عقد علی شاہ بود۔ درخصوص ترک سلطنت اُو را ملامت نمودہ و لشکرے از خود ہمراہ داد و ازراہ پکھلی بازگشت روانہ ساخت"۔

ے نام پنڈت بیربر کاچرو۔ نام تاریخ مختصر التواریخ کشمیر۔ جو بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ لکھی گئی۔ اور اس وقت غیر مطبوعہ ہے۔ اور ملک لائبریری سرینگر کے علاوہ سرینگر میں اکثر لوگوں کے پاس موجود ہے۔ اور ۱۹۲۲ء کے سفر کشمیر میں راقم الحروف کی نظر سے بھی گزر چکی ہے

یہ شادی کب ہوئی۔ کیا راجہ نے اپنی لڑکی پولیٹیکل مصلحتوں کی بنا پر خود ہی سلطان کو پیش کی۔ یا کسی لڑائی میں گرفتار ہو کر آئی۔ رانی کے بطن سے کوئی اولاد تھی یا نہیں۔ کیا معاملات سلطنت میں بھی کچھ اس کا دخل تھا؟ ان سب باتوں کے متعلق تمام تاریخیں قطعی طور پر خاموش ہیں۔

۷۶۱ھ کا کشمیر دیکھا۔ جب شہاب الدین کی حکومت تھی۔ پھر ۸۰۱ھ کا کشمیر بھی دیکھا۔ جب علی شاہ حکمران تھا۔ اس کے بعد کا کشمیر بڈشاہی زمانہ کا بھی دیکھو۔ یہ وہ ایام تھے۔ کہ کشمیر کا جو بادشاہ تخت حکومت پر قدم رکھتا تھا ؎

جواں بخت و جواں دولت جواں سال

کا مصداق ہو کر آتا تھا۔ غیر ممالک بلکہ غیر مذاہب کے بادشاہ اپنی بیٹیاں تک دینا عزت و فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ آج وہی کشمیر ہے جہاں در و دیوار سے بزدلی، غلامی اور ذلت و نکبت کے آثار نظر آرہے ہیں۔

کوٹہ رانی

رنچن ایک تبتی شاہزادہ تھا۔ جو باپ کے مرنے کے بعد چچا کے ظلم و ستم سے تنگ آکر راجہ سہدیو (۱۳۰۱ء لغایت ۱۳۲۴ء) کے عہد میں بزمانہ وزارت رام چندر کشمیر آگیا۔ اور رام چندر کی عنایات سے مراتب اعلیٰ تک پہنچا۔ اسی زمانہ میں شاہ میر نام ایک درویش کلاہ تتری وار بھی کشمیر آیا۔ اور اس کی مصاحبت اور اُس کے زہد و اتقاء نے رنچن پر اسلام کی خوبیوں کا کچھ نہ کچھ اثر ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ جب اس نے راجہ سہدیو کی حکومت کو جو حملہ ذوالقدر خاں تاتاری (کشمیری نام دوالچو) کے بعد کمزور ہو رہی تھی۔ مٹا کر شاہ میر کی مدد سے اپنی حکومت قایم کرلی۔ تو اس نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اور رام چندر وزیر کشمیر کی حسین لڑکی کوٹہ رانی سے شادی کر کے اُس کو ملکۂ کشمیر بنایا کشمیر کا پہلا نو مسلم رنچن ہی ہے۔ جس نے بادشاہ ہو کر اپنا نام ملک صدرالدین رکھا۔

کوٹہ رانی کا ایک بھائی تھا۔ راون چندر نام۔ ملک صدرالدین نے کوٹہ رانی کی دلجوئی کے لئے اُسے رینہ کا خطاب دیا۔ اور اس کے باپ رام چندر کی جاگیر بدستور اس کے نام رہنے دی۔ بلکہ ملک تبت کا وہ حصہ جو کشمیر کے ماتحت تھا۔ راون چندر ہی کو دیدیا۔

افسوس ہے۔ کشمیر کے اس سب سے پہلے مسلمان بادشاہ کو فرشتۂ اجل نے دو سال سات ماہ (۱۳۲۵ء تغایت ۱۳۲۷ء) سے زیادہ حکومت نہ کرنے دی۔

وزیر سلطنت ہر چند مسلمان شاہ میر نام تھا۔ اور سابقہ وزیر رام چندر کا بھائی راون چندر اور کئی اور عمائد بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور خود کوٹہ رانی بھی مسلمان تھی۔ لیکن ملک میں ابھی چونکہ غیر مسلموں کی کثرت تھی۔ اس لئے اعیانِ دولت نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ وارث سلطنت راجہ سہدیو کا بھائی اودیان دیو قرار دیا جائے۔ جو واقعہ ذوالچو کے ایام سے حدود دچھکلی میں پناہ گزین ہے۔ شاہ میر اور کوٹہ رانی کو اس سے اختلاف تھا۔ اور اس لئے اختلاف تھا۔ کہ ابھی یہاں اسلام کی ابتدا ہے۔ ۲½ سال کی اسلامی حکومت کے بعد پھر ہندو راجہ کی حکومت اسلام کے لئے نقصان کا باعث ہو گی۔

آخر رانی اور وزیر نے اس خیال سے کہ اودیان دیو حکمرانی کی قابلیت سے معرا اور کم ہمت اور کسی قدر بے عقل ہے۔ اور خود شاہ میر کا دبدبہ اور رعب واقتدار ملک میں کافی ہے اعیان دولت کے ساتھ اودیان دیو کو تخت پر بٹھانے میں اتفاق کر لیا اودیان دیو تین چار سال تک حدود دچھکلی میں رہا تھا جہاں مسلمانوں کی صحبت اور ان کے نیک خیالات نے اس پر بہت کچھ اثر کیا ہوا تھا۔ وہ تخت و تاج کی خوشخبری سنکر کشمیر آیا۔ اور شاہ میر اور دیگر اعیان سلطنت نے اسے کشمیر کی حکومت سپرد کی

کوٹہ رانی بیوہ تھی۔ اور مسلمان تھی۔ اس لئے اس زمانہ کے ہندو رسم و رواج کے مطابق وہ اددیان دیو کی رانی نہیں بن سکتی تھی لیکن وہ چونکہ نہایت زبردست دل و دماغ کی عورت تھی۔ اور پولیٹکل چالوں سے واقف تھی۔ اور باوجود اددیان دیو کی راجگی کے حکومت کے مشوروں میں بھی شریک رہتی تھی۔ اس لئے اددیان دیو نے اس پر قابو پانے کے لئے اس کو اپنی بیوی بنالیا۔ تاریخ گلدستہ کشمیر۔ تاریخ گلزار کشمیر اور مختصر التواریخ کشمیر جو ہندو مورخوں کی تصنیفات ہیں سب اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ کوٹہ رانی نے جو بیوہ اور مسلمان تھی۔ اددیان دیو کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ لیکن اس بات کو نہ کسی ہندو اور نہ کسی مسلمان مؤرخ نے صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ خود اددیان دیو ہندو تھا یا مسلمان لیکن جب اس بات پر غور کیا جائے۔ کہ اددیان دیو برسوں تک مسلمانوں کی صحبت میں رہا ہے۔ اور ہندو رہکر وہ کبھی ایک بیوہ اور ایک مسلمان بیوہ سے اپنے مذہبی عقاید اور ملکی رواج کے مطابق شادی نہیں کرسکتا تھا۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمان ہونے کی صورت ہی میں وہ کوٹہ رانی کو سلک زوجیت میں لایا ہوگا۔ اور پھر یہ کہ اگر وہ ہندو ہی تھا۔ تو ضرور شاہ میر سے اپنے بھائی راجہ سہدیو کے خون کا انتقام لیتا۔ جس نے رینچن کے ساتھ مل کر نہ صرف سہدیو ہی کو قتل کیا تھا۔ بلکہ ہندو سلطنت ہی کو مٹا دیا تھا۔ لیکن اددیان دیو نے راجہ ہو کر شاہ میر کو بدستور وزارت کے عہدہ پر قایم رکھا سابق وزیر رام چندر

کا بیٹا راون چندر بھی مسلمان ہی رہا۔ رینچن شاہ کے زمانہ میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنے سابقہ مذہب میں جانے کی کوشش نہ کی۔ اور نہ کوئی ثبوت تاریخوں سے اس بات کا ملتا ہے۔ کہ اودیان دیو نے مسلمانوں پر کوئی سختی کی۔ اس لحاظ سے اور دیگر ایسے قرائن سے جو تاریخ کشمیر کے مطالعہ سے بغور معلوم ہو سکتے ہیں۔ ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں۔ کہ اودیان دیو بھی ضرور مسلمان ہو گیا ہوگا۔

کوٹہ رانی جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے۔ مردانہ قابلیتوں کی عورت تھی۔ اس نے اودیان دیو سے نکاح کر کے معاملات سلطنت کو ایک طرح براہ راست اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ شاہ میر مدار المہام سلطنت تھا۔ اور بنجہ بٹ کاکا پوری (ایک کشمیری پنڈت) سپہ سالار افواج تھا۔ چار سال تک معاملات ملکی بخیر و خوبی سرانجام پا رہے تھے۔ کہ ۱۳۲۱ء میں ایک ترک سردار نے پھر کشمیر پر حملہ کر دیا۔ کم ہمت اودیان دیو تخت و سلطنت دونوں کو چھوڑ کر تبت کی جانب بھاگ گیا۔ کوٹہ رانی جو اپنے باپ (رام چندر، وزیر راجہ سہدیو) کے زمانہ میں ذوالقدر خاں ذونچو کے ہنگامہ میں قدرت کے تماشوں کا مشاہدہ کر چکی تھی۔ مستقل مزاجی اور پامردی کے ساتھ مردانہ وار اپنی جگہ پر ڈٹی رہی۔ اس نے امراء و وزراء کو بلوایا۔ جو اودیان دیو کی دون ہمتی اور بزدلی سے گھبرا گئے تھے۔ اس نے سب کے سامنے ایک پر جوش تقریر کے ذریعہ ان کے منجمد خون کو گرمایا۔ اور کہا

ہیں خود اپنے ملک کی حفاظت اور اپنے ننگ و ناموس کے لئے ہتھیار باندھنے کو تیار رہوں۔ وطن کی عزت قایم رکھنے کے لئے جو کٹھن مشکلیں آئینگی۔ ان کو مردانہ وار برداشت کرونگی۔ اگر موت بھی آجائے۔ تو اسے زندگی جاوید سمجھونگی۔ اگر تم نے غفلت اور بزدلی سے کام لیا۔ تو ذوالچو کے حملہ کو یاد کرو۔ کشمیر میں عزت وآبرو اور جان و مال سب کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اگر ملک کا اور اہل وعیال کے ناموس کا ذرا بھی خیال ہے۔ تو اٹھو۔ جوانمردی اور مردانگی کے ساتھ غنیم کا مقابلہ کرو۔ تخت یا تختہ اس کے سوا اور کسی چیز کا خیال نہ کروگے۔ تو آئندہ کسی بڑے سے بڑے دشمن کو بھی تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اس قسم کے پند ونصائح نامہ وپیام اور اعلان واشتہار نے نامردوں کے دلوں میں مردانگی اور مردوں کے دلوں میں جوش بے اندازہ پیدا کر دیا۔

شاہ میر جو مدار المہام تھا۔ سر لشکر بنا۔ اس کی سرکردگی میں کشمیریوں نے اس شجاعت وجواں مردی سے تیغ رانی کی۔ کہ ترکوں کی ترکی تمام ہو گئی۔ اور ملک کو آنے والی بے چینی وپریشانی بلکہ تباہی وبربادی سے نجات مل گئی۔

رانی نے سر لشکر اور لشکریوں کو انعام واکرام سے مالامال کر دیا شاہ میر کے دو بیٹے تھے۔ جمشید اور علاؤالدین ان کو کامراج میں بڑی بڑی جاگیریں عنایت کیں۔ رانی بڑی دانا تھی۔ اس نے اس خطرہ سے کہ تخت کو خالی دیکھکر ممکن ہے اعیان حکومت کسی اور کو بادشاہ نہ بنا دیں۔ ادوہان دیو کی تلاش شروع کی۔ تاکہ اپنے

کم ہمت خاوند کی آڑ میں خود کشمیر پر حکومت کرتی رہے۔ آخر اس کو تبت سے بلوایا۔ اور سابق کی طرح پھر اسے تخت پر بٹھایا۔ اب اودیان دیو پہلے سے بھی زیادہ اپنی رانی کا مطیع و فرماں بردار تھا اور اس نے کسی حکم میں چون و چرا کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا پندرہ سال کی برائے نام حکومت کے بعد ۱۳۲۱ء میں اودیان دیو کا انتقال ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد رانی نے اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ اُدھر شاہ میر جو مدار المہام بھی تھا۔ اور جس نے اپنی شجاعت و مردانگی سے کشمیر کو غنیم کے حملہ سے بچایا ملک میں روز بروز مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔ اور اب تخت کشمیر کو بالکل خالی دیکھ رہا تھا۔ وہ رانی کے ارادوں میں حائل ہوا اور دوسرے امراء وزراء کو بھی اس نے ساتھ ملا لیا۔ رانی یہ کیفیت دیکھکر اپنے بھائیوں سمیت اندرکوٹ چلی گئی۔ اور وہ اس نے اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا۔ چونکہ یہ اعلان ارکان سلطنت کی مرضی کے خلاف تھا اس لئے ملک میں فتنہ و فساد شروع ہو گیا۔ رانی کی آزاد حکومت کو ابھی پچاس یوم ہی گزرے تھے کہ شاہ میر نے ارکان سلطنت سے بعض شرائط طے کر کے اور رعایا کو بہت سے مالی و ملکی فوائد بتا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور بالآخر سب کے اتفاق سے ۲۴ سالہ قیام کشمیر کے بعد، ۱۳۴۳ء مطابق ۷۴۲ھ میں تاج شاہی سر پہ رکھکر سلطان شمس الدین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ بنا۔

اس نے اپنے وعدوں اور اپنے عہد و پیمان کے مطابق رعایا کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ کسی کو کوئی شکایت نہ ہونے دی مالیہ میں بہت حد تک کمی کر دی۔ رعایا سب اس کے ساتھ تھی۔ لیکن باوجود اس کے اس کو حقیقی اطمینان نصیب نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ کوٹہ رانی اندر کوٹ میں بیٹھی ہوئی بدستور حصول سلطنت کی کوششوں میں مصروف تھی۔ اور چونکہ شاہ میر اس کی پولیٹکل قابلیتوں سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے اُسے ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن کوٹہ رانی سلطنت ہاتھ سے گنوا کر کس طرح خوش رہ سکتی تھی۔ آخر شمس الدین نے اس فتنہ و فساد کے مٹنے کا اس کے سوا چارہ نہ دیکھا۔ کہ باوجود ضعیف العمر ہونے کے اس کے ساتھ نکاح پڑھوا لے۔ چنانچہ اس نے رانی کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ جس طرح شاہ میر رانی کی سیاسی چالوں سے آگاہ تھا۔ اسی طرح رانی بھی شاہ میر کے اثر و اقتدار اور اس کے شجاعانہ کارناموں سے بے خبر نہ تھی وہ سمجھتی تھی کہ شاہ میر کی بیوی بنکر میں عضو معطل ہو جاؤنگی۔ اس نے بادشاہ کے اس پیام کو اس جواب کے ساتھ مسترد کر دیا۔ کہ میں اپنے ایک ملازم کے ساتھ جو برسوں میرے ماتحت رہا ہے اور اب اپنی مالکہ سے منحرف ہو بیٹھا ہے کبھی عقد نکاح نہیں کر سکتی۔ اسکے جواب سے سلطان کا وسوسہ اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس نے اندر کوٹ پر چڑھائی کر کے رانی کو نکاح پر مجبور کیا۔ وہ بھی مصلحت وقت کے لحاظ سے مان گئی سلطان اسے سرینگر لے آیا۔ رانی کوٹہ رانی نے کسی طرح چھری بہم پہنچائی اور پیشتر اسکے کہ سلطان شمس الدین اس سے ہم کلام ہو۔ وہ اپنے پیٹ میں چھری مار کر ہلاک ہو گئی۔

رانی شنکر دیوی

چک خاندان کے تیسرے بادشاہ علی شاہ چک کا زمانہ کشمیر میں امن و امان کا عہد گزرا ہے۔ تمام رعایا اس کے رشتۂ اخلاص و اتحاد میں بندھی ہوئی تھی کہ دفعتہً راجہ بہادر سنگھ والئے کشتواڑ نے جس کے آباؤ اجداد برسوں بلکہ صدیوں سے تخت کشمیر سے وابستہ چلے آئے تھے۔ سرکشی اختیار کی بادشاہ نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ بادشاہ کے مقابلہ میں راجۂ کشتواڑ کی خواہ اس کا نام بہادر سنگھ ہی کیوں نہ ہو۔ کیا حقیقت تھی؟ جونہی بادشاہی افواج کے آنے کی خبر سُنی۔ اپنی غلطی و حماقت کا احساس ہوا۔ سر لشکر کے پاس معذرت۔ اطاعت اور پشیمانی کا اظہار کر کے اپنی خورد سال ہمشیرہ راجکماری شنکر دیوی کو علی شاہ کے نبیرہ یعقوب خاں سے منسوب کرنے کا پیام بھیجا۔ اور حسب دستور خراج کی ادائیگی بھی قبول کی۔ اور جنگ کا تاوان بھی ادا کیا۔ یعقوب خاں اپنے باپ یوسف شاہ کے بعد ۱۵۸۵ء مطابق ۹۹۳ھ میں یعقوب شاہ کے نام سے تخت کشمیر پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ خالص کشمیری بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ تھا۔ چودہ ماہ تک ہی حکومت کرنے پایا تھا۔ کہ اکبر نے کشمیر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس زمانہ میں رانی شنکر دیوی کی عمر بیس بائیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ یعقوب شاہ بیوی کو لیکر اپنے سسرال کشتواڑ میں آگیا۔ راجہ بہادر سنگھ نے اپنے بہنوئی کی حکومت چھن جانے پر

افسوس وہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس کو دوبارہ تخت حاصل کرنے پر غیرت دلائی۔ میرزا قاسم میر بحر فاتح کشمیر کی حرکات سے جو عہد اکبری کا سب سے پہلا گورنر تھا۔ اہل کشمیر کشیدہ خاطر تھے یہ سب خبریں یعقوب شاہ کو پہونچ رہی تھیں۔ جب راجہ بہادر سنگھ نے بھی ہمت بندھائی۔ اور کشمیر سے بھی ہمت افزا اخبار آنے لگے۔ تو وہ کشتواڑ سے نکل کر میرزا قاسم پر حملہ آور ہوا۔ اور ایک خونخوار جنگ کے بعد پھر سرینگر پر قابض ہو گیا لیکن اس نے غلطی یہ کی۔ کہ مغلوں کے قتل عام کے ساتھ ان کشمیری سرداروں کو بھی سزائیں دینی شروع کر دیں۔ جو ہیرہ پور کے معرکہ میں دشمنوں سے جا ملے تھے۔ اس کی اس حرکت سے بہت سے کشمیری سردار اس سے علیحدہ ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ یعقوب شاہ کو چند ہی دنوں کے بعد پھر تاج و تخت اور محل و شاہ نشین کو خیرباد کہکر کشتواڑ جانا پڑا۔ ۹۹۷ھ تک یعقوب شاہ کا یہی حال رہا کہ بار بار کشمیر پر حملے کرتا۔ اور بار بار کشتواڑ آ کر پناہ لیتا۔ یہانتک کہ اس فتنہ و فساد سے تنگ آ کر اکبر نے مرزا قاسم کی جگہ یوسف خاں رضوی مشہدی کو گورنر کشمیر مقرر کیا۔ اور ۲۵ ہزار مزید افواج اس کے ہمراہ بھیجی۔

رانی شنکر دیوی بھی قدرت کے مشاہدات دیکھ رہی تھی جب یعقوب شاہ کشمیر پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اس کے دل میں پھر ایک مرتبہ ملکۂ کشمیر ہونے کے ولولے پیدا ہوتے تھے لیکن جب وہ مایوس و ناکام واپس آتا تھا۔ تو کلیجہ پکڑ کر رہ

جاتی تھی۔ بار بار کی ناکامیوں سے میاں بیوی کی عزت بہادر سنگہ
کی نگاہوں میں بھی کم ہو رہی تھی۔ اسی اثناء میں اکبر اپنے بتیسویں
سال جلوس (سنہ ۹۹۷ھ مطابق ۱۵۸۷ء) میں پہلی مرتبہ کشمیر میں
آیا۔ یعقوب شاہ بھی آوارہ گردی سے تنگ آچکا تھا۔ کچھ بہادر سنگہ
کی آنکھیں بدلی ہوئی دیکھ رہا تھا۔ کچھ رانی نے بھی مشورہ دیا
اور کچھ آپ بھی تھک چکا تھا۔ آخر بادشاہ کے پاس معافی کے لئے
اپنے آدمی بھیجے۔ بادشاہ نے تقصیرات پر قلم عفو پھیر کر نہ صرف
جاں بخشی کا مژدہ سنایا۔ بلکہ بیس ہزار روپیہ کی جاگیر بھی عطا کی
آخر ۱۵۹۳ء مطابق سنہ ۱۰۰۱ھ میں اپنے بھائی کے ہاتھ سے مسموم
ہوکر انتقال کر گیا۔ اور کشتواڑ میں دفن ہوا

رانی فتح خاتون

بہادر سنگھ راجہ کشتواڑ (جموں و کشمیر) نے اپنی پہلی بغاوت پر اطاعت و معذرت کے ساتھ علی شاہ چک والئے کشمیر کو اپنی بہن راجکماری شنکر دیوی پیش کی تھی لیکن جب دوسرے سال پھر سرکشی اختیار کی تو بادشاہ کشمیر نے اسمعیل گنائی اور حیدر ملک اپنے دو جبار سردار اسکی گوشمالی کے لئے روانہ کئے۔ بہادر سنگھ کے دل میں آزاد ہونے بلکہ بادشاہ سے مقابلہ کرنے کے ولولے تو اُٹھتے تھے لیکن اپنی اُمنگوں کے ساتھ اپنی طاقت کا صحیح اندازہ لگانے میں غلطی کرتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ اُسے ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑتی تھی۔

اس مرتبہ بھی اس نے عجز و انکساری اور ندامت کا سہارا لیا اور تلافی مافات کے طور پر اپنے بیٹے نرائن سنگھ کے ہاتھ اپنی لڑکی کو بھی جو علی شاہ کے محلات میں داخل ہوکر رانی فتح خاتون کہلائی بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ سب سے بڑا تحفہ تھا۔ جو راجہ نے بادشاہ کو بھیجا۔ لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نادر اشیاء بادشاہ کو ارسال کیں۔ چنانچہ نرائن سنگھ نے اپنی بہن کے ساتھ ان تمام ہدایا و تحائف کے بادشاہ کے روبرو پیش کیا اور نوازش ہائے خسروانہ سے سرافراز ہوا۔ کشمیر کی تاریخوں میں اس سے زیادہ اس رانی کے متعلق کچھ درج نہیں ہے۔ یہانتک کہ اس کا اصلی نام بھی جو اس کے ماں باپ نے رکھا تھا کسی مؤرخ نے نہیں لکھا

رانی رُوپ متی

ولایت مالوہ ہندوستان میں ایک وسیع مملکت ہے۔ یہ فخر مالوہ کے ملک ہی کو حاصل ہے۔ کہ راجہ بھوج اور راجہ بکرماجیت جیسے راجگان عالی وقار اسی سرزمین کو اپنا دارالحکومت بنائے رکھتے تھے۔ جب انقلاب زمانہ نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی۔ تو ان کا پرچم مالوہ کی بلاد میں بھی لہرانے لگا۔ سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے لے کر ۹۶۲ھ ہجری تک مسلمان بادشاہوں نے بعض سلاطین دہلی کے ماتحت ہو کر اور بعض نے آزادانہ طور پر مالوہ کی مملکت پر قبضہ جمائے رکھا۔

۹۶۳ھ ہجری میں مالوہ میں سلطان باز بہادر کے نام کا خطبہ و سکہ جاری تھا۔ ابتدائے حکومت میں بہت سے سرکشوں کو وہ راہ راست پر لایا۔ جو مقابل آیا مُنہ کی کھا کر پلٹ گیا۔ جب اطمینان ہو گیا۔ اور پریشانی رفع ہو گئی۔ تو شامت اعمال آکر نفگیر ہونے لگی۔ بادشاہ کو فن موسیقی سے خاص محبت تھی۔ اور خود بھی اس فن میں صاحب کمال تھا۔ دور دور سے گوئیے منگوائے۔ اور بیش قرار مشاہروں پر اُن کو نوکر رکھا۔ رات شب برات اور دن عید کی طرح بسر ہونے لگا۔ گویوں کے گروہ میں بہت سی حسین اور خوش آواز عورتیں بھی تھیں۔ بادشاہ ان کی صحبت اختیار کر کے تدبیر مملکت کو تقدیر کے سپرد کر بیٹھا۔

ان عورتوں میں ایک عورت بالکل جوان ۱۸-۱۹ سال سے زیادہ عمر کی نہ تھی۔ نام اُس کا رُوپ متی تھا۔ صورت میں چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی۔ بادشاہ اس مغنیہ کی محبت میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ اور روپ متی کی

کو بھی بادشاہ سے کمال الفت رہتی۔ اور ایک دُوسرے کو دیکھنے کے بغیر کسی کو کل نہ پڑتی تھی۔ ان کے تعلق و عشق کا تمام ملک میں چرچا ہوا۔ روپ متی بادشاہ کو تیر و تلوار دونوں سے گھائل کر رہی تھی۔ یعنی ایک تو اس کی نورانی شکل نے نہ صرف باقی مغنیہ عورتوں بلکہ اہلِ حرم کے بھی چراغ بے نور کر دیئے تھے۔ اور دوسرے اس کی آواز نے بادشاہ کو بالکل مبہوت اور لٹو بنا دیا تھا۔ جب بادشاہ عیش و عشرت میں غرق ہو جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ملک کی تباہی و بربادی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی حال ہوا۔ ملک میں فتنہ و فساد نے ایک آگ لگا دی۔ چاروں طرف ہنگامے اور بلوے ہونے لگے۔ رہزنوں اور ڈاکوؤں نے موقع دیکھ کر شریفوں اور راہ گیروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ غرض بادشاہ اور بادشاہت پر اندھا راجہ اور چوپٹ نگری کی مثال صادق آنے لگی۔

ان دنوں ہندوستان میں خاندانِ مغلیہ کا چمکتا ہوا آفتاب مغل اعظم یعنی اکبر بادشاہ حکمران تھا۔ اس کو لشکرِ مالوہ کی پریشانی و بے سامانی اور سالارِ لشکر کی غفلت و عیش پرستی کی سب خبریں پہنچ رہی تھیں۔ ۹۶۸ھ ہجری میں اس نے نواب ادہم خاں کی سرکردگی میں ایک عظیم لشکر مالوہ کی طرف روانہ کیا۔ بادشاہ کی غفلت و بے شعوری کا اندازہ لگانے کے لئے صرف اتنا ظاہر کر دینا کافی ہے۔ کہ اکبری لشکر سینکڑوں میلوں کا فاصلہ طے کر کے دارالخلافہ (سارنگ پور) کے نزدیک آ پہنچا۔ اور باز بہادر ہنوز خبر سے ندارد۔ یہاں تک کہ جب صرف ایک کوس کا فاصلہ رہ گیا۔ تو آپ حرکات مذبوحی کرنے لگے۔ خوابِ غفلت سے آنکھ کھولی عورتوں کی صحبت برخاست کی۔ بزم کو رزم بنایا۔ اور نہایت بے سر و سامانی

سے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور روانگی سے پہلے ایک جماعت
خاص کو یہ حکم دیا۔ کہ اگر خدانخواستہ مابدولت کو شکست ہوگئی۔ تو ہمارے
اہلِ حرم اور تمام مغنّیہ عورتوں اور ہماری پیاری رُوپ متی کو تلوار کے گھاٹ
اُتار دیا جائے۔ تاکہ ہم اُن کی ذلّت و رسوائی کا جگر سوز ماجرا نہ سُن سکیں
جیسا کہ یقینی امر تھا۔ باز بہادر اسی بات میں بہادری سمجھا۔ کہ
میدانِ جنگ سے اپنی جان سلامت لے کر بھاگ گیا۔ اس جماعت نے
یہ خبر سنتے ہی تلواریں میان سے نکالیں۔ اور محل سرا میں قتل عام شروع
کر دیا۔ جب اہلِ حرم کو روپ متی پر بھی تلوار کے وار کی خبر پہنچی۔ تو وہ
اپنی جان سے مایوس ہو کر جدھر کسی کے سینگ سمائے اُدھر چلی گئیں۔
فتحیابی کے بعد ادہم خاں شہر میں داخل ہوا۔ رُوپ متی کے حسن
کا شہرہ مدت سے سنتا تھا۔ حکم دیا۔ کہ اُس پری زاد کو حاضر کرو۔ لوگوں
نے کہا۔ کہ وہ رانیوں کے ساتھ قتل کر دی گئی ہے۔ ادہم خاں نے تحقیقات کے
لئے محلات میں آدمی بھیجے۔ آخر پتہ چلا۔ کہ روپ متی کا رشتہ حیات
تیغ ظلم سے ابھی منقطع نہیں ہوا۔ البتہ وہ زخمی ہو کر فرش پر پڑی ہوئی
ہے۔ ادہم خاں نے یہ سُن کر روپ متی کو پیغام بھیجا۔ کہ تمہارا علاج شروع
کیا جاتا ہے۔ جب تم کو آرام آ جائیگا۔ تو تم کو بعزت و توقیر تمام باز بہادر
کے پاس بھیجدیا جائے گا۔

جب روپ متی نے باز بہادر کا نام سُنا۔ اور اس کو یقین کامل ہو گیا
کہ وہ زندہ ہے۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔ اور ادہم خاں کو ہزار ہزار
دُعا دی۔ رفتہ رفتہ اس کے زخم مندمل ہو گئے۔ باز بہادر کے ملنے کی امید
میں روز بروز اس کو طاقت و توانائی حاصل ہو رہی تھی۔ آخر جب وہ

غسل صحت کر چکی۔ تو اُس نے ادہم خاں کو پیغام بھیجا۔ کہ آپ کی دُعا تو خادمہ بالکل تندرست ہے۔ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ اور اس کو باز بہادر کے پاس پہنچا دیجئے۔

ادہم خاں کو روپ متی کے دیدار کے لئے ایک ایک گھڑی ایک ایک سال کے برابر سمجھ رہا تھا یہ پیغام سُن کر کباب ہو گیا۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ باز بہادر اگر اکبر کا مطیع و حلقہ بگوش ہو گیا ہوتا۔ تو تیرے سوال کے پورا کرنے میں کوئی عذر نہ تھا۔ مگر اب کہ وہ باغی اور مغرور اور سرکش ہے۔ اس سوال کا پورا کرنا بادشاہ سلامت کی بے ادبی۔ گستاخی اور نمک حرامی کا باعث ہے روپ متی اصلی مطلب تاڑ گئی۔ اور ادہم خاں کی بدنیتی سے آگاہ ہو کر نہایت تشویش و پیچ میں مبتلا ہو گئی۔ وہ بیچاری انہی پریشانیوں میں تھی۔ کہ عین آدھی رات کے وقت ادہم خاں کے آدمی اس مکان کے اندر گھس آئے پہلے اُسے بہ ملائمت سمجھایا۔ جب دیکھا۔ کہ اس پر کچھ اثر نہیں ہوا زبردستی کرنے لگے۔ روپ متی نے کہا۔ زبردستی سے فائدہ نہیں۔ میری ایک عرض ہے۔ وہ نواب صاحب کے گوش گذار کر دیجئے۔ اگر اُن کو مجھ سے سچی محبت ہے۔ تو وہ ضرور اُسے درجۂ قبولیت عطا فرمائینگے۔ غرض نواب کے آدمیوں سے کہا۔ کہ اُن کی خدمت میں عرض کیجئے۔ کہ اُن کی وہ لونڈی جس کی اگر وہ خبر نہ لیتے۔ تو یقیناً اس وقت تک مر چکی ہوتی۔ التماس کرتی ہے۔ کہ اس مور ضعیف کے مکان میں مثل سلیمانؑ تشریف لائیں۔ تاکہ اس ذرہ بیمقدار کا بھی ستارہ چمکے۔

یہ پیغام سُن کر ادہم خاں کے دل کی کلی پھول کی طرح کھل گئی۔ تمام دن اسی انتظار میں گذرا۔ کہ کب رات ہوتی ہے۔ رات آئی۔ تو یہ گھبراہٹ

ہوئی - کہ کہیں بادشاہ کو میری اس کارستانی کی خبر نہ ہو جائے - اس لئے تاریکی میں دو تین آدمیوں کو ہمراہ لے کر روپ متی کے مکان کیطرف روانہ ہوا۔

روپ متی کہ باز بہادر کی عاشق زار تھی - ادہم خاں کی آمد آمد سے لرز رہی تھی - وہ عالم خیال میں گئی - اور باز بہادر کے تصور سے کہنے لگی پیارے باز! تم اُڑ گئے - اور تمہارا نام لے لے کر جینے والی تمہاری لونڈی اس مصیبت میں پھنس گئی - جس سے رہا ہونے کی اب کوئی صورت نظر نہیں آتی - میرے قتل کا حکم دیا - اچھا کیا - لیکن اپنے ہاتھوں سے قتل کرجاتے - تو وار تو اوچھا نہ پڑتا - اور میری سخت جانی تو آڑے نہ آتی۔

وہ قول و قرار یاد کرو - اور اگر یاد نہیں - تو میں یاد کراتی ہوں - کہ تم نے تادم زیست میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا - اور میں نے یہ حلف اُٹھایا تھا - کہ میری جان اور میری عصمت اور میرا سارا وجود تمہاری نذر ہے - میں تمہاری ہوں تمہاری - تمہارے سوا کسی کی نہیں - تم بادشاہ ہو - جب بھی تمہاری - اور تم فقیر ہو جاؤ - تب بھی تمہاری - باز بہادر حاضر ہو یا غائب جہاں ہو سُن لو - کہ ادہم خاں میری عصمت بگاڑنا چاہتا ہے - مجھے طرح طرح کے لالچ دیتا ہے - لیکن میں باوجودیکہ تمہاری تباہی کے آثار دیکھ رہی ہوں - تمہاری محبت کو دل کے صندوق میں راز مخفی کی طرح پوشیدہ رکھتی ہوں - آج کا دن میری زندگی کا آخری دن اور آج کی رات میری زندگی کی آخری رات ہے - اے اعمال و افعال کے فرشتو شاہد رہو - کہ محبت کی دیوانی محبت کی بھوکی - محبت کی بندی یہ روپ متی جس کو باز بہادر کی محبت نے ہندو سے مسلمان اور معمولی مغنیہ سے رانی روپ متی بنادیا تھا

آخری دم تک باز بہادر کی محبت کا دم بھرے جاتی ہے۔

غرض رات اپنی منزل کا کچھ حصہ طے کر چکی تھی۔ کہ ادہم خاں روپ متی کے مکان میں داخل ہوا۔ لونڈیوں اور پرستارزادیوں سے جو سر بزانو بیٹھی تھیں استفسار کیا۔ کہ روپ متی کہاں ہے؟ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ کہ رانی صاحبہ پلنگ پر استراحت فرماتی ہیں۔ ادہم خاں غرض بیتابی سے پلنگ کی طرف دوڑا۔ دیکھا۔ کہ روپ متی سفید چادر لئے لیٹی ہے۔ پلنگ پر اس قدر ہار اور پھول ہیں۔ کہ کمرہ خوشبو سے مہک رہا ہے۔ بیتاب ہو کر کپڑے کو منہ پر سے اُٹھایا۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ جس روپ متی کے اشتیاق وصل کی خاطر وہ اس قدر جدو جہد کرتا رہا ہے۔ وہ گلے میں پھولوں کا ہار پہن کر ہمیشہ کے لئے خواب مرگ میں سو گئی ہے ؞

لونڈیوں سے حال حقیقت دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ جب آپ کے آدمی کل رات کو جواب لیکر پلٹ گئے تھے۔ اس کے بعد روپ متی اپنے بادشاہ اور خاوند باز بہادر کو یاد کر کے بہت روئی۔ اور اپنی عفت و عصمت سے قطعی ناامید ہو کر خودکشی پر آمادہ ہو گئی۔ کافور کھانے کے بعد اُس نے تلی کا تیل پیا۔ جب حالت بگڑنے لگی۔ تو کپڑا لے کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ ادہم خاں اپنے کئے پر بہت نادم ہوا۔ عورت ذات کے حسن عہد و وفا پر ہزار آفرین کی۔ نہایت اعزاز سے اسکا کفن دفن کیا۔ اور مدتوں تک مالوہ کے ملک میں روپ متی کی اس وفاداری اور عصمت شعاری کا چرچا رہا ؞

رانی امراں بائی

آج جس ریاست کو پالن پور کہا جاتا ہے۔ کبھی تخت جالور کے نام سے منسوب تھی۔ ۱۵۶۷ء مطابق ۹۷۵ھ میں ملک خان یہاں کا بادشاہ تھا۔ گجرات میں اس وقت سلطان مظفر حکومت کرتا تھا۔ اور دہلی میں اکبر بادشاہ کا پرچم لہرا رہا تھا۔

ملک خان غزنی خان اول فرمانروائے جالور کا چھوٹا بھائی تھا اس کے ابتدائی ایام بابر کی زندگی سے ملتے جلتے ہیں کبھی ہزار ہا لوگ اس کی اردل میں رہتے تھے۔ کبھی اس کو سر چھپانے کو جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ اس نے جالور کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن جالور قبضہ میں آکے پھر نکل جاتا رہا۔ ۹۷۵ھ میں اس پر ایسا قبضہ پایا۔ کہ مرتے دم تک حکمرانی کرتا رہا۔ اسی علاقہ میں باڑمیر ایک جاگیر تھی۔ جہاں ارجن سنگھ بھیماوت راٹھور خاندان کا ایک راجپوت حکومت کرتا تھا۔ اس کی بیٹی امران بائی شہسواری اور فنون حرب ہی میں طاق نہ تھی بلکہ صورت میں بھی چودھویں کا چاند تھی۔ اکثر راجپوت راجے اور جاگیردار اس حسن کی دیوی کے لئے ایک دوسرے سے لڑنے مرنے پر تیار رہتے تھے۔ اس کے کیف آور شباب اور اس کے متوالے حسن کی شہرت ملک خان تک بھی پونچی اور ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

کے مطابق دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ یہ مسلمان اور امران بائی ہندو۔ بظاہر کامیابی کی کوئی سبیل بھی نظر نہ آتی تھی لیکن اکبر نے راٹھوروں اور دوسرے راجپوتوں

کے ہاں شادیاں کر کے اتحاد فی العمل کا دروازہ کھول دیا تھا اس لئے اس ناامیدی میں بھی کبھی کبھی اُسے امید کی جھلک نظر آجاتی تھی۔ ارجن سنگھ کو جب دفعتاً ملک خان کے باپ کی طرف سے پیغام ملا۔ تو اس کی عقل چکرا گئی۔ غصہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ تیور بدل گئے۔ اور کچھ سخت سست کہنے کو تھا۔ کہ پیغامبر نے جو ایک راٹھور راجپوت ہی تھا۔ نشیب و فراز سمجھائے۔ اور بتایا کہ اس قسم کے رشتے اب معیوب نہیں ہیں۔ بلکہ ہندوستان کی دو زبردست قوتوں کے حقیقی اتحاد کی علامت ہیں۔ اس کی نظر میں اس نے جیسلمیر اور جودھپور کے راجاؤں کے حوالے دیئے۔ جنہوں نے اکبر کے ساتھ اپنی لڑکیوں کی شادیاں کی تھیں۔ غرض بڑی ردّو کد اور بڑے بحث مباحثہ کے بعد آخر ملک خان اور امران بائی کی شادی ہو گئی۔

یہ شادی کس سنہ میں ہوئی۔ اس کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ تاریخ ریاست پالن پور میں سنہ ۹۴۲ھ مطابق سنہ ۱۶۳۵ء کے واقعاتِ[۱] مابعد میں جہاں یہ ذکر ہے۔ کہ غزنی خان اور اس کے دو بھائی میر خان اور بہادر خان بادشاہی افواج (سلطان گجرات) کا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ اور ملک خان زخمی ہو گیا۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ "جب ملک خان کو کامل صحت ہو گئی۔ تو وہ اپنے قبائل کو لیکر احمد آباد چلا گیا"۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی شادی سنہ ۹۴۲ھ کے بعد ہی کسی قریبی سال میں ہوئی ہے۔

امران بائی کی محبت اور وفاداری کی تعریف کرنی چاہیئے۔ کہ ملک خان ہر چند احمد آباد میں مدت دراز تک بہ معاش قلیل سپاہیانہ وضع میں

[۱] تاریخ ریاست پالن پور مطبوعہ سنہ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۴۱ جلد اول۔

گذر اوقات کرتا رہا لیکن امران بائی جو نازوں کی پلی ہوئی تھی کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائی - اور خدا نے اس صبر و شکر کا صلہ بھی یہ دیا - کہ ملک خان آخر مسند جالور پر متمکن ہوا - اور امران بائی جالور کی راج رانی قرار پائی -

اس زمانہ میں ایدر (راجپوتانہ) کا حکمران راؤ نارائن داس تھا - اس کا بڑا بیٹا دھرم دیو باپ سے باغی ہو کر علاقہ میں لوٹ مار کرتا پھرتا تھا - راؤ نرائن داس نے جاگیر کا وعدہ دے کر ملک خان کو ایدر بلوایا - وہ اپنی پیاری بیوی امران بائی (جس سے وہ ایک لحظہ کے لئے بھی جدا نہ ہوتا تھا) اور جالوری سپاہیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ ایدر آیا - اور دیر تک وہیں رہا -

اسی جگہ ایک بزرگ حضرت ملک اللہ داد نے ملک خان اور امران بائی کو دو فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی چنانچہ ایدر ہی میں امران بائی کے بطن سے غزنی خان اور فیروز خان دو لڑکے پیدا ہوئے - اور چونکہ اس صاحب دل فقیر نے بچوں کی پیدائش کے ساتھ فرمانروائے جالور کی بشارت بھی دی تھی - اس لئے ملک خان اپنی بیوی بچوں کو ہمراہ لیکر پھر احمد آباد واپس آ گیا - قسمت نے کئی انقلاب دکھانے کے بعد ۹۶۱ھ مطابق ۱۵۵۳ء میں یاوری کی یعنی ملک خان جالور پر قابض ہو گیا - لیکن چند دن ہی حکومت کی تھی - کہ راٹھوروں کے خوف سے اسے اپنے سسرال موضع شاملی میں جو جاگیر باڑمیر میں واقعہ تھا اپنی بیوی سمیت پناہ لینی پڑی - جنہوں نے جالور سے نکالا تھا - وہ بھی راٹھور تھے - اور جنہوں نے اسے شاملی میں پناہ بلکہ جالور واپس لینے کے لئے مدد دی تھی - وہ بھی راٹھوری

تھے۔ امران بائی فنون کے طریقوں سے خود بھی کامل طور پر واقف تھی۔ کہیں نظر سے تو نہیں گذرا لیکن خیال ہے۔ کہ وہ بھی اپنے خاوند کے ہمراہ ضرور لڑائی میں شامل رہتی ہوگی۔ کچھ بیوی نے ہمت بندھائی۔ کچھ سسرال نے مدد دی۔ کچھ ملک خان میں تخت جالور کے لئے خود بھی تڑپ موجود تھی۔ ان باتوں نے مل ملا کر پھر جالور پر حملہ کرا دیا۔ اور سات دن تک محاصرہ کرنے کے بعد آخر آٹھویں دن وہ کامیاب ہوگیا۔

لیکن عیش و آرام کے دن ابھی دیکھنے نصیب نہ تھے۔ راؤ مالدیو کے بیٹے چندرسین نے (جو اپنی بہن جودھا بائی کا اکبر کے ساتھ رشتہ ہونے پر ناراض تھا! اور تیموری شہزادوں کو اکبر کے خلاف مدد دیتا تھا) محمد حسین مرزا اور شرف الدین مرزا دو تیموری شہزادوں کو جالور پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ملک خان نے حملہ کا جواب دینا چاہا۔ لیکن امران بائی نے اس خیال سے کہ ان کا تعلق شاہی خاندان سے ہے۔ ان کا مقابلہ کرنے کی صلاح نہ دی۔ چنانچہ سنہ ۹۶۷ھ مطابق ۱۵۵۹ء میں ملک خان نے بغیر لڑائی کرنے کے جالور چھوڑ دیا۔ اور امران بائی اور بچوں کو ہمراہ لے کر پھر اپنے سسرال موضع شاملی میں آگیا۔ میرزاؤں نے جالور پر تسلط تو جما لیا۔ لیکن بادشاہی افواج کا ان کو ہمیشہ خوف رہتا تھا۔ چنانچہ دونوں بھائی سنہ ۹۷۵ھ میں بادشاہی افواج کے تعاقب سے گھبرا کر اضلاع دکن میں بھاگ گئے۔ اور ملک خان پھر تیسری مرتبہ سنہ ۹۷۵ھ مطابق سنہ ۱۵۶۷ء میں جالور پر متسلط ہوگیا۔

امران بائی اوصاف و عادات کے لحاظ سے تکالیف و عسرت میں خوش باش اور راحت و حکومت میں فیاض و ہردلعزیز تھی۔ افسوس ہے

ملکۂ جالور بن کر ابھی اس نے نوبہاریں ہی لوٹی تھیں۔ کہ دسویں سال ۹۸۴ھ مطابق ۱۵۷۶ء میں اُس کے خاوند ملک خان کا انتقال ہوگیا۔

باپ کے مرنے کے بعد غزنی خان تخت پر بیٹھا۔ اس زمانہ میں سلاطین گجرات کا اقتدار کم ہو رہا تھا۔ اور اقبال اکبری کے عروج کا دریا اُٹھا تھیں مار رہا تھا۔ جب مرزا عبدالرحیم خان خاناں نے اکبر کی طرف سے ترقی، اعزاز اور جالور کے برابر اضافۂ جاگیر کا وعدہ دیا۔ تو وہ بڑی کشمکش و پیچ میں تھا۔ آخر اس کی جہاں دیدہ ماں نے جو زمانے کا سرد و گرم دیکھے ہوئے تھی۔ بیٹے کو اکبر کی لازوال طاقت سے آگاہ کیا۔ اور سمجھایا کہ مغلوں کی اطاعت کے بغیر جالور کا تخت سلامت نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ غزنی خان نے ماں کی نصیحت کو تو قبول کیا۔ لیکن امرائے دربار نے مغلیۂ اطاعت کی حامی نہ بھری جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خان خاناں نے تھوڑی سی لڑائی کے بعد اس کو چاندی کی بیڑیاں پہنا کر دہلی بھجوا دیا امران بائی نے ایک وفادار ملازم ڈُونگ جی ولد ابوجی کو راجہ رائے سنگھ راٹھور والئی بیکانیر کے پاس بھیجا۔ کہ وہ شہنشاہ اکبر کا حضوری بلکہ ہم زلف[1] تھا۔ اور امران بائی کا ہم قوم۔ ایک خط میں اپنی ساری بپتا لکھی۔ اور اس کی امداد طلب کی۔ ڈُونگ جی امران بائی کا خط ایک تحفہ و تحائف لے کر رستے کی صعوبتیں اٹھاتا ہوا دہلی پہنچا۔ راجہ رائے سنگھ سے ملا۔ اُس نے رانی جودھا بائی کے ذریعہ جو اکبر کی چاہتی بیگم تھی، غزنی خان کی رہائی کی سلسلہ جنبانی کی۔ اور آخر پانچ سال تک شاہی قیدخانہ

---

[1] راجہ رائے سنگھ راجہ کلیان سنگھ راٹھور والئی بیکانیر کا بیٹا تھا۔ اور چونکہ اس نے اور اکبر نے جیسلمیر کے راجہ کی لڑکیوں سے شادی کی تھی۔ اس لئے یہ دونوں ہم زلف بھی تھے۔

میں رہنے کے بعد غزنی خان کو رہائی نصیب ہوئی۔ اور جب بادشاہ کو اس کے اور اس کی جہاں دیدہ ماں کے وفادارانہ خیالات کا علم ہوا۔ اور جب عرصہ تک دہلی میں رہنے کی وجہ سے اس کے چال چلن کو بھی جانچنے کا کا موقعہ ملا! تو اپنی رضاعی بہن بانو بیگم کے ساتھ اس کا عقد کر دیا۔ اور جب اسے رخصت دی تو علاوہ جالور کی از سرِ نو سند عطا کرنے کے شہزادی کو بھی کئی پرگنے جہیز میں دیئے۔ غزنی خان کو خان اور دیوان کے لقب کے ساتھ لاہور کی صوبہ داری پر بھی نامزد کیا۔ چنانچہ دہلی و لاہور کے قیام کے بعد جب ۹۹۸ھ مطابق ۱۵۸۹ء میں غزنی خان اپنی معزز بیوی کو جاہ و حشم کے ساتھ لے کر جالور آیا۔ تو امران بائی نے جو بیٹے کے فراق میں ہمیشہ مغموم و غمگین رہتی تھی۔ اپنے فرزندِ سعادت کو اس شان و شوکت کے ساتھ دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔[1]

غزنی خان بیجاپور میں بادشاہ کی طرف سے ناظمِ اعلیٰ کے عہدہ پر تھے۔ کہ ۱۰۲۳ھ مطابق ۱۶۱۴ء میں وہیں انتقال کیا۔ ان کی لاش جالور میں لائے۔ اور شاہی قبرستان میں دفن کی گئی۔ امران بائی کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن ان تجربہ سے کہ اس نے اپنی والدہ امران بائی کے نام پر ایک باغ اور ایک وسیع باؤلی تعمیر کرائی۔ باؤلی کے چہ بچہ پانی سے ہمیشہ لبریز رہتے تھے۔ اور گوشۂ باغ میں مسافروں کے آرام کے لئے ایک دھرم شالہ بنوایا تھا۔ کم سے کم اتنا پتہ ضرور چلتا ہے۔ کہ امران بائی اپنے بیٹے کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھی۔ امران بائی برسوں تک ایک مسلمان والئی ملک کی بیوی اور اس کی وفات کے بعد

[1] تاریخ ریاست پالن پور حصہ اول صفحہ ۹۵

مرتے دم تک ایک مسلمان والئی ملک کی مان رہی یعنی وہ "راج رانی" اور "راج ماتا" بھی کہلائی لیکن نہ خاوند نے اور نہ بیٹے نے کبھی اس کو تبدیلی مذہب کے لئے مجبور کیا۔ اس بات کے ثبوت میں کہ وہ آخر دم تک مذہب کے لحاظ سے ہندو تھی۔ صرف اتنا ہی لکھنا کافی ہے۔ کہ اس کے بیٹے غزنی خان نے اس کی وفات کے بعد اس کی یادگار میں باغ اور باؤلی کے علاوہ ایک دھرم سالہ بھی تعمیر کرایا۔ جہاں پردیسی مسافر آکر قیام کیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں جب غزنی خان کی رہائی کے لئے اکبر خان کی رانی جودھا بائی نے اکبر سے سفارش کی۔ تو اکبر کے اس استفسار کے جواب میں کہ تم کو اور رائے سنگھ کو غزنی خان سے کیا تعلق ہے۔ جودھا بائی نے کہا تھا۔ کہ امران بائی یعنی غزنی خان کی والدہ راٹھور ہے۔ اور میری ہم قوم ہے۔ میں اور رائے سنگھ راٹھور غزنی خان کو منہ بولا بھانجہ کہتے ہیں۔ اس جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ امران بائی اگر مسلمان ہوگئی ہوتی۔ تو رانی جودھا بائی اور راجہ رائے سنگھ کبھی اس کے بیٹے کی رہائی کے لئے کوشش وسفارش نہ کرتے۔

رانی مان بائی

جالوری پٹھانوں کا آفتاب اقبال دیوان پہاڑ خان بن غزنی خان کی عیش پرستیوں اور نادانیوں سے گہن میں آچکا تھا اس لئے غزنی خان کا بھائی فیروز خان یعنی رانی امران بائی کا دوسرا بیٹا جو پہاڑ خان کا چچا تھا۔ بداقبالی کے دنوں میں گجرات میں رہتا تھا۔ جب اس نے سُنا کہ جالوریوں کی بچی کھچی جماعت نے موضع کُرجھا کو اپنا وطن بنالیا ہے۔ تو وہ بھی ۱۶۱۹ء مطابق ۱۰۲۹ھ میں ان کے ساتھ آکر شامل ہو گیا۔ سلسلہ ندادولی کی گھاٹیاں اس جماعت کی کمین گاہیں تھیں مسلسل لوٹ مار سے فیروز خان نے پھر کچھ طاقت و جمعیت پیدا کرلی۔

۱۰۳۸ھ مطابق ۱۶۲۸ء میں گو کوئی مستقل حکومت اس کے پاس نہ تھی لیکن اس نے دولت اس قدر حاصل کرلی تھی۔ کہ اپنے بیٹے مجاہد خان کی شادی اس نے شاہانہ دھوم دھام سے کی۔

یہ شادی ٹھاکر دت سی ولد پونجا جی کے ہاں ہوئی تھی۔ جو موضع جالوڈہا کی کے جاڑیچہ قوم کے ایک معزز راجپوت تھے۔ ٹھاکر کی بیٹی مان بائی چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی۔ فیروز خان نے گفت و شنید کے لئے ایسے کار آزمودہ آدمی منتخب کئے۔ کہ ٹھاکر بغیر کسی پس وپیش کے لڑکی دینے پر راضی ہو گیا۔ اس شادی کے کچھ حالات تاریخ ریاست پالن پور[۵۱] سے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

"مجاہد خان کی شادی سمت ۱۶۸۴ مطابق ۱۶۲۸ء موافق ۱۰۳۸ھ میں

---

۵۱ صفحہ ۱۱۲ حصہ اول

مان بائی جاڑیچی سے ہوئی تھی۔ اس شادی کی تقریب میں نہایت فراخ حوصلگی سے شاہانہ جشن کر کے جس کشادہ دلی کے ساتھ داد ودہش کی گئی تھی۔ اُس کے افسانے آج تک مشہور ہیں۔ ادنیٰ سی بات یہ ہے۔ کہ چارن گیبپاجی کلوٹ کو لاکھ پساؤ اور موضع موٹیٹا کا سانسن انعام میں ملا تھا۔"

مجاہد خان کی اور بھی کئی بیویاں تھیں لیکن بقول مؤلف تاریخ پالن پور" مان بائی دوسری بیویوں کی نسبت مجاہد خان کو بہت زیادہ عزیز تھی"۔ بعد ادائے رسوم جب یہ اپنے سسرال میں آئیں تو ان کے جہیز میں دیگر مال و اسباب کے ساتھ اتفاقیہ "ناگنی ماتا" ایک دیوی بھی چلی آئی تھی۔ بات یہ ہوئی۔ کہ جس وقت جہیز کا اسباب صندوقوں اور پٹاروں وغیرہ میں بھر بھر کر گاڑیوں میں لانا شروع ہوا۔ تو ان کے میکے کی کسی کنیز نے غلطی سے وہ صندوقچہ بھی رکھ دیا جس میں جاڑیچہ راجپوتوں کی ناگنی جی ماتا کے مختلف سروپوں کی تصویریں تھیں پالن پور پونچکر اسباب کی پڑتال کرنے کے لئے جب صندوقوں وغیرہ کو کھولا گیا۔ تو ایک بکس میں سے یہ تصویریں بھی نکل آئیں۔

مان بائی کی خوش دامن یعنی مجاہد خان کی والدہ دھیران بائی جو سانچورا کے چوہان راجپوت سورج مل کی بیٹی تھی۔ ان تصاویر کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئی۔ اور نئی بہو کے تالیف قلوب کے لئے بولی "دھن بھاگ ہمارے کہ ماتا جی خوشی سے ہمارے گھر آئیں۔ اب ان کو واپس بھیجنا مناسب نہیں ہے۔ آج سے ان کا استھان بنا کر انہیں یہیں رکھیں گے"۔

آخر ایک علیحدہ حجرہ ناگنی ماتا کی مورتیوں کے لئے تعمیر کرایا گیا۔ دھیرا بائی نے پجاری بنانے کے لئے سیدھ پور سے ایک برہمن کو معقول مشاہرہ پر بلوایا۔ چنانچہ اس وقت سے اس ریاست میں دستور ہے۔ کہ نوراتری کے زمانہ میں اس ماتا کا ہون ہوتا ہے۔ اور دسہرہ کے روز پجاری برہمن ان تصاویر کو دربار میں دکھایا کرتا ہے۔ یہ تصویریں تعداد میں ۲۷۷ ہیں[ع۱۵]

مان بائی بھی مسلمان بادشاہ کی بیگم ہو کر "ہندو رانی" بنی رہی۔ چنانچہ اس نے اپنے خاوند کے عالیشان عہد حکومت ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء سے ۱۰۷۴ھ / ۱۶۶۳ء میں بہت سی ہندوانہ طرز کی عمارتیں بنوائیں۔ اور ہندو سادھو سنتوں اور برہمنوں کی بہت کچھ سیوا کی۔ اس کی عمارتوں میں ایک تالاب اب تک موجود ہے جس کا نام "مان سرور" ہے۔ تالاب کے پاس ہی ایک بہت بڑا باغ بھی تعمیر کرایا تھا۔ جس کو نگینہ باڑی کہتے تھے۔ باغ نابود ہو چکا ہے۔

ع۱۵ تاریخ پالن پور صفحہ ۱۱۵

رانی کشل بابارڑجی

دیوان بہادر خان پالن پور کے نامور فرمانرواؤں میں گذرا ہے۔ یہ سمت ۱۸۰۱ مطابق ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۴ء کی ابتداء میں مسند نشین ہوا۔ اور اپنے اجتماع ضدین خصائل و عادات دکھانے اور ۳۸ سال تک حکومت کرنے کے بعد سمت ۱۸۳۸ مطابق ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء میں جبکہ شاہان مغل کی کمزوریوں سے ہر صوبہ خود مختار ہو رہا تھا انتقال کر گیا۔

بہادر خان نے مختلف خاندانوں اور مختلف قوموں میں بارہ شادیاں کیں جن میں چھ شادیاں ہندو راجپوتوں کے ہاں تھیں۔ ان میں سے کشل بابارڑجی کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔ اور کشل باکیباڑنی جی کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ باقی چار حسب ذیل ہیں۔

(۱) سروپ بائی۔ لقب ان کا دیوڑی جی تھا۔ ٹھاکر کھیمان سنگھ دیوڑہ جاگیردار علاقہ سروہی کی لڑکی تھی۔ ٹھاکر کو جب اس بات کا علم ہوا کہ علاقہ کھیمت کے کولیوں نے اسے تاخت و تاراج کرنے کا عزم بالجزم کرلیا ہے۔ تو اس نے دیوان بہادر خان سے اپنی نوجوان خوبرو بیٹی بیاہ کر اسے اپنا طرفدار بنا لیا۔

(۲) عجب بائی۔ لقب ان کا راگھیلی جی تھا۔ ٹھاکر کرشن جی ولد پچان جی کی لڑکی تھی۔ جو موضع جالوڑھا کے ایک قابل عزت راجپوت تھے۔

(۳) سکھران بائی۔ لقب گڈھصیانی جی۔ گڈھواڑہ کے ٹھاکر ماناجی نیجاجی چوہان کی بیٹی تھی۔

(۴) موہین بالقب بارڑجی - رانی گشتل با۔ بارڑجی کی چچازاد بہن اور ٹھاکر امید سنگھ زمیندار سوداسنہ برادر خورد ٹھاکر کرن سنگھ کی خوردسال لڑکی تھی -

رانا کرن سنگھ زمیندار دانتہ نے جس کی جاگیر پر امرسنگھ جاگیردار سوداسنہ قابض ہوگیا تھا - بہادر خان سے دوبارہ جاگیر حاصل کرنے کے لئے امداد و اعانت کی درخواست کی - شرائط یہ طے ہوئیں - کہ مصارف فوج کشی اور علاقہ دانتہ کے تمام دیہات کی کل پیداوار سے فی روپیہ سات آنہ ریاست پالن پور کا حصہ مقرر ہو - اور تکمیل معاہدہ اس وقت ہو - جب خاندان رانا میں سے ایک صاحب حسن ولیاقت لڑکی بہادر خان کے ساتھ بیاہ دی جائے - [۵]

ان شرائط کو رانا کرن سنگھ نے کسی قدر غور و تامل کے بعد منظور کرلیا - عہدنامہ پر دستخط بھی ہوگئے - لیکن بہادر خان فوج کشی کے معاملہ کو ٹال کر سب سے پہلے شادی ہوجانے پر زیادہ زور دیتا تھا - اور اس کی وجہ یہ تھی - کہ وہ واقف کاروں سے اس کی لڑکی کے حسن وجمال کی بے حد تعریف سن چکا تھا - رانا بھی دل میں سمجھ گیا - کہ لڑکی کے بیاہے بغیر کام نکلنا دشوار ہے - چنانچہ اُس نے اپنی لڑکی گشتل با کو بہادر خان کے ساتھ ایک پُرفضا میدان میں جہاں چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں آموں کے سرسبز درخت لہلہا رہے تھے - اپنی لڑکی کی شادی کردی - بہادر خان کئی دنوں تک آموں کے اسی باغ میں خوش سلیقہ دلہن کے ساتھ عیش وعشرت کی داد دیتا رہا - آخر اس نے رانا کرن سنگھ کے لئے

---

[۵] تاریخ ریاست پالن پور صفحہ ۳۳ جلد دوم

جو دانتہ کا اصلی مالک تھا۔ دانتہ پر چڑھائی کی۔ اور امر سنگھ ٹھاکر سودا سنہ کو وہاں سے نکال کر کرن سنگھ کو وہاں مسند نشین کر دیا۔ ان حالات کو کسی ہندی شاعر نے ایک دوہرہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

کرنا نے رانو کیو۔ امرو کاڈھیو ایم
بارڑ پرنی یا درا۔ توان باندھیو نیم

یعنی بہادر خان نے منڈھا چھا کر بارڑجی سے شادی کی۔ اور اس کے بدلہ میں امر سنگھ کو نکال کر کرن سنگھ بارڑ کو رانا مقرر کیا۔

کشل با جس کا لقب اُس کے آبائی خاندان کے نام پر بارڑجی مقرر کیا گیا تھا۔ نہایت خوش سلیقہ نیک مزاج خلیق اور تمیز دار عورت ثابت ہوئی۔ بہادر خان جیسے ضدی اور مطلب آشنا رئیس کے مزاج میں وہ اپنی حسن صورت ہی کی وجہ سے دخیل نہ تھی۔ بلکہ لیاقت ذاتی اور حسن سیرت کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔ اس کے اخلاق و عادات سے خوش ہو کر مصارف فوج کشی کی گراں قدر رقم بھی جس کی ادائگی سے رانا ہر وقت مغموم رہتا تھا۔ بہادر خان نے بیک قلم معاف کر دی۔

پالن پور کا محلہ بارڑ پورہ بارڑجی کا ہی آباد کیا ہوا ہے۔ بارڑجی نے یہاں کی عورتوں کے لباس کے مناسب ایک قسم کا سادا اوڑھنا (دوپٹہ) ایجاد کیا۔ جسے بارڑ شاہی چھیبی کہتے ہیں۔

بارڑجی نے ایک دفعہ بہادر خان سے ازراہ محبت و مذاق اپنی اعلیٰ نسبی و والا حسبی کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ یہ آپ کی خوش نصیبی تھی۔ کہ رانائے دانتہ کے خاندان کی راج دلاری آپ کے محل میں آئی۔ دیوان صاحب نے جواب دیا
آپ کو اس حسن اتفاق پر حسب ہی ہماری گردش قسمت ملی ہوئی ہے۔

فخر کرنا چاہیئے" بہادر خان نے کہا۔ کیا راجپوتوں میں تمہارا خاندان اس قدر ممتاز و باوقار ہے۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ رشتہ داری کرنا معیوب اور کسر شان سمجھا جاتا ہے۔

بارڑجی نے مسکرا کر کہا۔ فی الواقع کیا آپ کو ابھی اس میں کچھ شک ہے؟

بہادر خاں ایک ضدی رئیس تھے۔ جوش ہی میں تو آ گئے۔ اسی وقت ارادہ کر لیا۔" گو عمر کی آخری منزلیں طے ہو رہی ہیں۔ مگر اس قومی فخر کا سہرا پہلے کیلئے خاص رانا کے خاندان میں سے ایک لڑکی اور بیاہ لانی چاہیئے" بارڑجی کو جب اس راج ہٹ کا علم ہوا۔ تو عجز و انکسار کے ساتھ معافی مانگی محبت و وفاداری اور حسن صورت و سیرت کو وسیلہ بنایا۔ مگر بہادر خان نے ایک نہ مانی۔ آخر راناکرن سنگھ کو بہت سی امیدیں دلا کر اس کے بھائی امید سنگھ جاگیردار سوداسنہ کی لڑکی چین با سے جس کی عمر ابھی بالکل چھوٹی تھی۔ صرف رانی بارڑجی کی طعنہ زنی کی وجہ سے شادی کر لی۔

بارڑجی کو شرمندگی و ندامت کے علاوہ صدمہ بھی بڑا ہوا۔ مگر دم بخود ہو کے رہ گئی۔ بہادر خان نے اُس کے زخم جگر پر ایک نمک پاشی یہ کی۔ کہ چین با کو اس کی خورد سالی کی وجہ سے اُسی کے سپرد کر دیا اور کہا صرف تمہارے بے جا غرور نے مجھ سے وہ کام کرایا ہے۔ جو اس عمر میں مجھے ہرگز نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اب تم اپنی بہن کو سنبھالو۔ اور اپنی "قومی عزت" کی حفاظت کرو۔

اس شادی کو ابھی چھ ماہ بھی نہیں گذرے تھے۔ کہ بہادر خان کے انتقال نے اس کمسن دلہن یعنی چین با کو ہمیشہ کے لئے بیوگی کے

سوگ میں ڈال دیا۔
بارڑجی بائی نے بہادر خان کی وفات کے بعد اپنے سوتیلے بیٹے سلیم خان کے زمانہ میں بہت زیادہ پولٹیکل اقتدار حاصل کرلیا سلیم خان کی بیگمات تو بہت تھیں۔ جن میں ہندو بھی تھیں۔ اور مسلمان بھی تھیں لیکن اولاد صرف چار سے ہوئی۔ جن میں جیو بائی جاڑیچی (ایک ہندو راجپوت رانی) کا بیٹا شیر خان ولیعہد تھا۔ بارڑجی بائی چونکہ زمانہ شناس تھی اس نے تاڑ لیا تھا۔ کہ سلیم خان چراغ سحری ہے۔ اور دونوں پوتوں میں سے شیر خان صاحب حوصلہ بہادر اور قابل ہے۔ اور بایزید خان جو ابھی آٹھ دس سال کا ہے۔ بالکل بچہ ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ شیر خان کے خلاف سلیم خان کو بھڑکایا کرتی تھی۔ تاکہ سلیم خان شیر خان کو ولیعہدی سے ہٹا کر بایزید خان کو ولی عہد بنائے۔ اور میں اس کی سرپرست بن کر حکومت کروں۔ ایک دفعہ تو بارڑجی بائی نے باپ بیٹوں میں سخت بگاڑ پیدا کرا دیا۔ یہاں تک کہ شیر خان بچارا دو تین ماہ تک ادھر اُدھر آوارہ پھرتا رہا۔ بارڑجی نے شیر خان کو بہت تکلیفیں دیں۔ لیکن وہ صبر کے ساتھ برداشت کرتا رہا۔ باوجود سلام و پیام کے تمام راستے بند ہونے کے شیر خان کسی نہ کسی طرح قریب المرگ باپ کے پلنگ تک پونچگیا۔ باپ بیٹا رو رو کر گلے مل رہے تھے۔ اور سلیم خان شیر خان کو ولی عہدی کا مژدہ سنا رہا تھا کہ بارڑجی بھی آگئیں۔ اور اُس کے آتے ہی دونوں باپ بیٹا خاموش ہوگئے۔ جب بارڑجی نے دیکھا کہ شیر خان ولی عہد بنایا جا رہا ہے۔ تو اس نے کہا کہ چھوٹے بیٹے کا کیا انتظام کیا ہے۔ کیا وہ برابر کا حصہ دار نہیں ہے؟ سلیم خان

پہلے تو احتراماً خاموش رہے۔ لیکن جب بارڑجی نے زیادہ دق کیا۔
تو جھنجھلا کر کہا۔ ماجی صاحبہ مصلحت وقت اور امور ملکی کو آپ نہیں
سمجھ سکتیں۔ میں نے اب تک شیر خان کے ساتھ جو سلوک روا کیا
ہے۔ محض آپ کے پاس ادب سے کیا ہے۔ اب حق دار کو بے حق
کرا کے مُفت کا عذاب میری گردن میں نہ ڈالئے۔
اس واقعہ کے تھوڑے دنوں کے بعد ۱۷۸۵ء مطابق ۱۲۰۰ھ میں
دیوان سلیم خان کا انتقال ہوگیا خیال تھا۔ کہ اس کے مرنے کے بعد
بارڑجی بھی خاموش ہو جائینگی۔ مگر وہ بڑی ہوشیار عورت تھی۔ اور
بایزید کی آڑ میں خود حکمرانی کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی تجاویز و تدابیر
کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے پٹاوت ٹھاکروں کو ساتھ ملایا۔
اور شیر خان کو زہر دینے کے منصوبے سوچے جانے لگے۔
سلیم خان کے انتقال کے وقت خزانہ کی کنجیاں بارڑجی کے
قبضہ میں تھیں۔ شیر خان نے جب کنجیوں کا مطالبہ کیا۔ تو بارڑجی نے
کہلوا بھیجا۔ جب تک میرے اور تمہارے درمیان نظام ریاست
کے متعلق ضروری شرائط نہ طے ہو جائیں۔ میں کنجیاں نہیں دے
سکتی۔ آخر شیر خان نے جب قتل کی دھمکی دی۔ تو بارڑجی نے کنجیاں
اُس کے پاس بھجوا دیں۔ اس کے بعد شیر خان نے سوچا کہ جب
تک اصل بنائے فساد (یعنی معصوم بایزید خان) کا فیصلہ نہ کیا
جائے گا۔ میں کبھی امن کے ساتھ حکومت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ
بارڑجی کی طاقت کم کرنے کے لئے پٹاوت ٹھاکروں میں سے جو
سرغنہ تھے۔ چن چن کے قتل کئے گئے۔ بایزید خان بچارا بارہ سال کا

معصوم بچہ تھا- وہ سہما ہوا کہیں بھاگ گیا- لیکن ایک نمبردار کے
مکان سے پکڑا گیا- اور ایک ڈوم نے جو خوش قسمتی سے کسی
اعلیٰ عہدہ پر جا پونچا تھا- اس معصوم کے مغز میں نیزہ مار کر
اُسے ہلاک کر دیا-

اس کے بعد شیر خان ۱۲۰۷ھ (دم مرگ) تک بے کھٹکے
حکومت کرتا رہا- بارڑجی بائی کا نام تاریخ پالن پور میں اس واقعہ
کے بعد کہیں نظر نہیں آتا

امیر بیگم نظامی

اعلیٰ راجپوت نسل سے ہیں- کاٹھیاواڑ ان کا وطن ہے- ان کا سب
خاندان اب تک ہندو مذہب پر قایم ہے- ان کا سینہ نور اسلام سے چمکا- اور یہ
مشرف بہ اسلام ہو گئیں- چونکہ کاٹھیاواڑ کے اعلیٰ ہندو خاندان سے تھیں
اس لئے ان کی شادی نواب حسین میاں صاحب صدیقی والئی ریاست
مانگرول کاٹھیاوار سے ہو گئی- شادی ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا
کہ نواب حسین میاں کی وفات حسرت آیات نے ان کو بیوگی کا لباس
پہنا دیا-

گذشتہ زمانوں میں کیا مغلوں کے محلات میں اور کیا فرمانروایان پالن پور
(کاٹھیاوار) کی حرم سراؤں میں ہندو بیگمات یعنی مسلمان رانیاں بالعموم اسلام
تو قبول کر لیتی تھیں لیکن ارکان اسلام اور شعائر اسلام کی کچھ ایسی پابند نہ رہتی
تھیں- بلکہ اپنے خاوندوں کو بھی نیم ہندو بنا لیتی تھیں- لیکن نواب حسین میاں

چونکہ خود شریعت اسلام کے سختی سے پابند تھے - اس لئے ان کی ہندو بیگم بھی جس کا اسلامی نام امیر بیگم رکھا گیا تھا - اسلام کا ایک مکمل نمونہ تھی -

بیوگی کے بعد اس نیک نہاد بیگم نے مولینا خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی سے بیعت کرلی - آپ ان کی راسخ العقیدہ ارادت مند ہیں - اور ان کے تبلیغی سلسلہ کو بہت پسند کرتی ہیں -

چنانچہ حضرت خواجہ صاحب کئی مرتبہ مانگرول تشریف لے جا چکے ہیں - بیگم صاحبہ تہجد گذار ہیں - بڑی باعصمت ہیں اور ایسے اوصاف کی خاتون ہیں - کہ ایسی نیک عورتیں اس چودھویں صدی میں بہت کم دیکھی اور سنی جاتی ہیں - تبلیغ اسلام کی ممد و معاون ہیں - اور ان کے دم قدم کی برکت سے صدہا غربا و یتامی کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں -

ختم شد

ملہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا ہندوستان میں بہت بڑا مذہبی اقتدار ہے - برہما - پنجاب کاٹھیاواڑ - کشمیر اور بعض دیگر حصص ملک میں ان کے ہزارہا مرید ہیں - اور ایسے باخلاص مرید ہیں - کہ تبلیغ و اشاعت اسلام کیلئے ان کو ہزارہا روپے ماہوار کی امداد دے رہے ہیں - خواجہ صاحب کے زیر اثر تبلیغی اخبار و رسائل ایک درجن کے قریب ہیں - وہ اس وقت تک بیسیوں پمفلٹ اور صدہا کتابیں تبلیغی مقاصد کیلئے لکھ چکے ہیں - اور سینکڑوں قسم کے اشتہارات مسلمانوں کو مسلمان بنانے اور غیر اسلامیوں کے حملہ و فریب سے بچانے کے لئے شائع کر چکے ہیں -

